قسطوں کا کاروبار
شریعت کی نظر میں
حافظ ابو یحییٰ نورپوری حفظہ اللہ

قسطوں کے کاروبار کی شرعی حیثیت

حافظ ابو یحییٰ نورپوری

اسلام دین فطرت ہے۔یہ ایک ایسا ضابطہ حیات ہے،جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔معاشی جدوجہد جو انسانوں کی ایک بنیادی ضرورت ہے،اس کے حوالے سے بھی اسلام نے ہر ہر قدم پر ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔شریعتِ اسلامیہ نے کاروبار کو جائز و مباح اور حرام و ممنوع میں تقسیم کر کے ہر فرد کو معاشی استحصال سے محفوظ کیا ہے۔ اگر معیشت کے اسلامی اصولوں کو اپنا لیا جائے،تو لین دین میں ہر قسم کے فساد اور نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔

خریدی گئی چیز کی قیمت قسطوں میں ادا کرنا ''بیع تقسیط'' کوئی نیا طریقۂ کاروبار نہیں، لیکن عصر حاضر میں اس کا رجحان بہت بڑھ گیا ہے۔اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انسانوں کی کثیر تعداد تنخواہ دار طبقے سے تعلق رکھتی ہے۔ایسے لوگ مہنگی ضروریاتِ زندگی کی قیمت یکمشت ادا نہیں کر سکتے،لہٰذا وہ قسطوں کی صورت میں خریداری ہی کو اپنے مسائل کا بہترین حل سمجھتے ہیں۔

موجودہ دَور کے معتبر اہل علم اس حوالے سے مختلف رائے رکھتے ہیں؛اکثر تو اسے جائز قرار دیتے ہیں،جبکہ کچھ اہل علم نقد و ادھار کی قیمت میں فرق کو سود کی مد میں شامل کر کے اسے ناجائز و حرام کہتے ہیں۔

اس مختصر مضمون میں ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں اس کاروبار کی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ جائز ہے یا واقعی سود کی ایک صورت ہونے کی بنا

پر ممنوع وحرام ہے؟کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم فریقین کے دلائل کا موازنہ کریں۔یقیناً دونوں قسم کے اہل علم نے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور اپنی پوری اجتہادی صلاحیتیں صرف کرتے ہوئے فیصلہ کیا،لہٰذا وہ اس فیصلے کے صحیح ہونے پر اللہ کے ہاں دوہرے اور غلط ہونے پر اکہرے اجر کے مستحق ٹھہرے۔لیکن ہمارا فرض یہ ہے کہ فریقین کے دلائل کو تحقیق کی کسوٹی پر رکھ کر صحیح فیصلے تک پہنچنے کی جستجو کریں اور اس سارے عمل کو خوفِ الٰہی اور عدل وانصاف کے سائے میں سرانجام دیں۔جو شخص اس مرحلے میں تعصب وہٹ دھرمی کا شکار ہو جاتا ہے،وہ جو بھی موقف اپنائے،اللہ کے ہاں مجرم ہی ٹھہرتا ہے۔

ایک محقق کو تحقیق پیش کرتے وقت کبھی بھی قارئین کی پسند و ناپسند کا دھیان نہیں کرنا چاہیے،کیونکہ اس کی اصل قوت اس کے قارئین کی تعداد نہیں،بلکہ اس کا اصل سرمایہ اپنی بے لاگ تحقیق ہے۔الحمد للہ! ہمارا یہی طرۂ امتیاز ہے۔قارئین کرام کو بھی چاہیے کہ وہ دلائل ہی کی بنا پر اپنی پسند و ناپسند کا فیصلہ کیا کریں۔ان کا یہی فرض ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دُعا کرتے ہوئے اس سلسلے میں قرآن وسنت کو سلف صالحین،یعنی صحابہ کرام،تابعین عظام اور ائمہ دین کے فہم کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔صراطِ مستقیم کو پانے کا یہی واحد طریقہ ہے۔ہمارے اسلاف نے اسی طرف ہماری رہنمائی کی ہے،جیسا کہ:

شیخ الاسلام،احمد بن عبد الحلیم،ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

فَإِذَا افْتَقَرَ الْعَبْدُ إِلَی اللّٰہِ وَدَعَاہُ، وَأَدْمَنَ النَّظَرَ فِي کَلَامِ اللّٰہِ، وَکَلَامِ رَسُولِہٖ، وَکَلَامِ الصَّحَابَۃِ وَالتَّابِعِینَ وَأَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِینَ؛ انْفَتَحَ لَہٗ طَرِیقُ الْھُدٰی .

”جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت کا طالب اور دُعا گو ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ قرآنِ کریم، احادیثِ رسول اور صحابہ وتابعین اور ائمہ دین کے فتاویٰ جات کا گہرا مطالعہ کرلے، تو اس کے لیے راہِ ہدایت کھل جاتی ہے۔“

(مجموع الفتاوٰی : 118/5)

آیئے اسی رَوش کو اپناتے ہوئے دیانتداری کے ساتھ فریقین کے دلائل کا تقابل کرتے ہیں :

مجوّزین کی اکلوتی دلیل

کاروبار میں اصل اباحت :

خرید وفروخت ان امور میں داخل ہے، جن میں اصل جواز ہے۔یعنی اگر شریعتِ اسلامیہ کاروبار کے کسی معاملے کو منع نہیں کرتی، تو وہ حلال ہی ہوتا ہے۔

قرآنِ کریم :

❀ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

﴿وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ (البقرة 2 : 275)

”اللہ تعالیٰ نے کاروبار کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔“

اس آیتِ کریمہ میں بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔سود کی صورتیں شریعت نے بیان کر دی ہیں۔نقد وادھار کے فرق کو شریعت نے حرام یا سود قرار نہیں دیا، اس لیے یہ جائز ہے۔

❀ اسی بارے میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَأْكُلُونَ أَشْيَاءَ وَيَتْرُكُونَ أَشْيَاءَ تَقَذُّرًا، فَبَعَثَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّهٗ وَأَنْزَلَ كِتَابَهٗ، وَأَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ، فَمَا أَحَلَّ فَهُوَ حَلَالٌ، وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مَعْفُوٌّ .....

''اہل جاہلیت کچھ چیزیں کھاتے تھے اور کچھ کو ناپسند کرتے ہوئے چھوڑ دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتاب نازل کی۔ اپنے (نزدیک) حلال کو حلال اور اپنے (نزدیک) حرام کو حرام قرار دیا۔ تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا، وہ حلال اور جس کو اس نے حرام قرار دیا، وہ حرام ہے اور جس سے اس نے خاموشی اختیار کی، وہ معاف (حلال) ہے۔۔۔''

(سنن ابی داوٗد: 3800، وسندہٗ صحیحٌ، وقال الحاکم [115/4]: صحیح الإسناد)

اجماعِ امت:

❁ شیخ الاسلام، امام، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) سے اس سلسلے میں سوال ہوا، تو انہوں نے کیا جواب دیا، ملاحظہ فرمائیں:

وَسُئِلَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَنْ رَّجُلٍ مُّحْتَاجٍ إِلٰى تَاجِرٍ، عِنْدَهٗ قُمَاشٌ، فَقَالَ: أَعْطِنِي هٰذِهِ الْقِطْعَةَ، فَقَالَ التَّاجِرُ: مُشْتَرَاهَا بِثَلَاثِينَ، وَمَا أَبِيعُهَا إِلَّا بِخَمْسِينَ إِلٰى أَجَلٍ، فَهَلْ يَجُوزُ ذٰلِكَ أَمْ لَا؟

فَأَجَابَ: الْمُشْتَرِي عَلٰى ثَلَاثَةِ أَنْوَاعٍ؛ أَحَدُهَا أَنْ يَّكُونَ مَقْصُودُهُ السِّلْعَةَ يَنْتَفِعُ بِهَا لِلْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَاللُّبْسِ وَالرُّكُوبِ وَغَيْرِ

ذٰلِكَ، وَالثَّانِي أَنْ يَّكُونَ مَقْصُودُهُ التِّجَارَةَ فِيهَا، فَهٰذَانِ نَوْعَانِ جَائِزَانِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ .

''آپ رحمہ اللہ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا، جسے ایسے تاجر کی احتیاج ہوئی، جس کے پاس کپڑا تھا۔اس نے کہا: مجھے کپڑے کا یہ ٹکڑا ادے دو تاجر کہنے لگا: اس کی موجودہ قیمت تو تیس ہے،لیکن میں اسے ادھار پر پچاس میں بیچوں گا۔یہ معاملہ جائز ہوگا یا نہیں؟ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے جواب دیا: خریدار تین قسم کا ہوسکتا ہے؛ایک وہ جس کا مقصود چیز لے کر اس سے کھانے، پینے، پہننے اور سواری وغیرہ کا فائدہ حاصل کرنا ہو۔دوسرا وہ جس کا مقصود چیز حاصل کر کے اس میں تجارت کرنا ہو۔مذکورہ صورت میں یہ دونوں قسم کے معاملے کتاب وسنت اور اجماعِ امت کی روشنی میں جائز ہیں۔''

(مجموع الفتاوٰی : 29/498-499)

اگر سلف صالحین میں سے کسی سے بھی ادھار کی صورت میں قیمت کے اضافے کو سود ثابت کر دیا جائے، تو یہ دعویٔ اجماع ختم ہو جائے گا، ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ اسلافِ امت اس کے جواز پر متفق تھے، کیونکہ آئندہ بحث میں بہت سے اسلاف سے بالصراحت اس کا جواز ثابت کیا جائے گا۔

فریقِ اوّل کے مطابق فریق ثانی نقد و ادھار کے فرق کے سود ہونے کی جو دلیل پیش کرتا ہے، وہ اس بارے میں صریح نہیں۔اس کا تعلق نقد و ادھار کے فرق کی ایک خاص نوع سے ہے، جس کو فریق اوّل بھی سود ہی کہتا ہے۔قارئین اس کی تفصیل مانعین کے دلائل میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

فریقِ اوّل کے محققین اگرچہ اور بہت سی دلیلیں ذکر کرتے ہیں،لیکن وہ یا تو موضوع سے خارج ہوتی ہیں، یا پھر انہیں بطورِ دلیل ذکر کرنا مناسب نہیں ہوتا، کیونکہ وہ صرف اور صرف بطورِ تائید ہوتی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کاروبار میں اصل اباحت کی دلیل ہی فریقِ اوّل کے لیے کارگر ہے،الا یہ کہ فریقِ ثانی نقد وادھار کے فرق کو سود ثابت کر دے۔اگر ایسا ہو گیا،تو اصل اباحت والی دلیل بھی بے کار ہو جائے گی اور دیگر تائیدات بھی۔ بصورتِ دیگر نقد وادھار کے فرق کے جواز پر صرف اصل اباحت ہی کافی دلیل ہو گی۔

ملاحظہ : قیمت کے تعیّن میں مدت کا عمل دخل :

فریق اوّل کی دلیل تو یہی ہے کہ کاروبار میں اصل اباحت ہے،لیکن بطورِ تائید جو بہت سی باتیں ان کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں،ان میں سے مشہور ترین بات ہم یہاں ذکر کیے دیتے ہیں۔فریقِ اوّل کا کہنا ہے کہ قیمت کے تعین میں ادائیگی کے وقت کا عمل دخل خود اسلامی شریعت نے روا رکھا ہے۔اس سلسلے میں سب سے بڑی دلیل یہ دی جاتی ہے :

بیع سلف/سلم : اس کی ایک مثال بیع سلف ہے، جسے بیع سلم بھی کہتے ہیں۔اس میں خریدار معینہ مدت، جو کہ بسا اوقات کئی سال پر محیط ہوتی ہے، پہلے ہی قیمت ادا کر دیتا ہے اور بعد میں چیز حاصل کرتا ہے۔اس طرح مروّجہ قیمت سے کم معاوضہ ادا کرنا پڑتا ہے۔اگر کسی کو اسی وقت اسی قیمت پر وہی چیز میسر ہو، تو وہ دو، تین سال بعد لینے پر کیونکر رضامند ہو گا، نیز اگر اسے دو، تین سال بعد بھی اسی قیمت پر چیز مہیا ہو،تو وہ پیشگی ادائیگی کیوں کرے گا؟

بیع سلف میں ادھار بیچنے والے کی طرف سے ہوتا ہے،جبکہ قسطوں میں ادھار خریدنے والے کی جانب سے ہوتا ہے۔بیع سلف میں خریدنے والا فائدے میں نظر آتا

ہے،جبکہ قسطوں میں بیچنے والا۔حقیقت میں دونوں طریقوں میں دونوں فریق ہی اپنے فائدے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

بیع سلف رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں رائج تھی اور آپ ﷺ نے اس کی توثیق کی،جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، وَهُمْ يُسْلِفُونَ بِالتَّمْرِ السَّنَتَيْنِ وَالثَّلَاثَ، فَقَالَ: «مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ، فَفِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَّعْلُومٍ، إِلٰى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ».

''نبی اکرم ﷺ جب (ہجرت کر کے)مدینہ منورہ تشریف لائے،تو وہاں کے لوگ کھجوروں میں دو،تین سال تک کی بیع سلف کرتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی چیز میں بیع سلف کرنا چاہتا ہے،وہ طے شدہ ماپ یا وزن کی طے شدہ مدت تک بیع کرے۔''

(صحيح البخاري: 2240، صحيح مسلم: 1604)

یعنی اگر مدت کے حساب سے چیز کی مقدار اور قیمت مقرر کر کے معاملہ طے کر لیا جائے،تو اس میں کوئی حرج نہیں۔بیع تقسیط میں بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے۔

جب خریدار پیشگی رقم دے کر زیادہ سودا لینے کا مستحق ہوسکتا ہے،تو دوکاندار پیشگی چیز دے کر زیادہ قیمت لینے کا مستحق کیوں نہیں ہوسکتا؟اگر ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے قیمت میں زیادتی سود ہے،تو پیشگی ادائیگی کی وجہ سے چیز کے سستے دام یا اضافی مقدار کو کیا نام دیا جائے گا؟اگر بیع سلف میں دوکاندار کے ادھار کی وجہ سے خریدار کو فائدہ ہو،تو یہ جائز ہو، لیکن اگر بیع تقسیط میں خریدار کے ادھار کی وجہ سے دوکاندار کو فائدہ ہو،تو وہ ناجائز کیوں؟

ان کے بقول بعض اہل علم کو یہ دھوکہ ہوا ہے کہ بیع سلم میں مدت کی وجہ سے قیمت کی کمی وبیشی نہیں ہوتی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

”بیع سلم پر اس بیع اجل (ادھار کی بیع) کو اس لیے بھی قیاس کرنا درست نہیں ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔بیع الاجل میں جو زیادہ قیمت لی جاتی ہے، وہ صرف ادھار کی وجہ سے ہے جو عین سود ہے،جبکہ بیع سلم میں مدت اور ادھار کی وجہ سے پھلوں کی اصل قیمت سے زائد کچھ بھی وصول نہیں کیا جاتا، لہٰذا دونوں میں فرق واضح ہے اور معترضین کا قیاس، قیاس مع الفارق اور باطل ہے۔“

جبکہ بیع سلف میں چیز کی حوالگی کی مدت کے حساب سے قیمت مقرر ہوتی ہے اور یہی چیز اس بیع میں لوگوں کی دلچسپی کا باعث ہوتی ہے۔جتنی جلدی چیز ملتی ہے،اتنی ہی قیمت زیادہ اور جتنی تاخیر سے ملتی ہے،اتنی ہی قیمت کم ہوتی ہے،جیسا کہ:

❀ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُّسَلِّفَهُ مِائَةَ دِينَارٍ فِي عَشْرَةِ أَكْرَارٍ؛ خَمْسَةٌ مِّنْهَا فِي وَقْتِ كَذَا، وَخَمْسَةٌ فِي وَقْتِ كَذَا؛ لِوَقْتٍ بَعْدَهُ، لَمْ يَجُزِ السَّلَفُ، لِأَنَّ قِيمَةَ الْخَمْسَةِ الْأَكْرَارِ الْمُؤَخَّرَةِ أَقَلُّ مِنْ قِيمَةِ الْأَكْرَارِ الْمُقَدَّمَةِ، فَتَقَعُ الصَّفْقَةُ؛ لَا يُعْرَفُ كَمْ حِصَّةُ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنَ الْخَمْسَتَيْنِ مِنَ الذَّهَبِ، فَوَقَعَ بِهِ مَجْهُولًا، وَهُوَ لَا يَجُوزُ مَجْهُولًا .

”سو دینار کے بدلے دس اکرار (عراقی پیمانہ) غلے کی بیع سلف اس صورت میں ناجائز ہے کہ پانچ اکرار ایک وقت میں اور پانچ اس کے بعد کسی وقت

میں ملیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بعد میں ملنے والے پانچ اکرار کی قیمت پہلے
ملنے والے پانچ اکرار سے کم ہوگی۔سودا تو طے ہو جائے گا،لیکن یہ معلوم نہیں ہو
سکے گا کہ مقررہ قیمت میں پہلے اور بعد والے اکرار کا حصہ کتنا کتنا ہے۔یوں
دونوں کی قیمت نامعلوم ہوگی اور اس صورت میں بیع سلف جائز نہیں رہتی۔''

(الأمّ : 98/3)

رہی ان کی یہ بات کہ ''بیع سلم میں مدت اور ادھار کی وجہ سے پھلوں کی اصل قیمت سے زائد کچھ بھی وصول نہیں کیا جاتا''تو جو ادھار کرتا ہے، زیادہ اسے ہی دینا پڑتا ہے۔ یہاں ادھار خریدار نہیں کر رہا کہ اسے زیادہ قیمت دینی پڑے، بلکہ یہاں ادھار پھلوں والا کر رہا ہے، جسے مدت کی بنا پر پھل سستے دینے پڑتے ہیں اور وہ اتنی ہی قیمت میں زیادہ پھل دیتا ہے،جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا بیان ذکر کیا جا چکا ہے۔

بیع تقسیط صرف ابہام کی صورت میں ممنوع ہے :

اگر فریق ثانی یہ کہے کہ بیع تقسیط اس لیے ممنوع ہے کہ اس کی ممانعت پر دلیل موجود ہے،تو فریق اوّل جواباً کہتا ہے کہ بیع تقسیط کی ممانعت اسی صورت میں ہے، جب نقد یا ادھار والی قیمت کا تعین نہ ہو سکے، بلکہ ابہام ہی میں سودا طے ہو جائے اور ابہام کی صورت میں تو بیع سلف بھی جائز نہیں رہتی،جیسا کہ گزشتہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور امام شافعی رحمہ اللہ کے فتوے سے واضح ہے۔اس کی مزید تفصیل فریق ثانی کے دلائل کے ضمن میں پیش کی جائے گی۔

معلوم ہوا کہ فریقِ اوّل کے پاس صرف ایک ہی دلیل ہے کہ کاروبار میں اصل اباحت ہے اور شریعت نے نقد و ادھار کے فرق کو سود قرار نہیں دیا،لہٰذا ایسا معاملہ جائز ہے۔

آیئے اب فریقِ ثانی کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔اگر فریقِ ثانی قرآن وسنت اور فہم

سلف کی روشنی میں قیمت کے تعین کی صورت میں بھی نقد وادھار کے فرق کو سود ثابت کر دے، تو بلاشبہ نقد وادھار کے فرق کا معاملہ سود ہی ہو گا اور اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں رہے گا۔

مانعین کے دلائل

خاص ممانعت اصل اباحت پر مقدم ہے :

فریق ثانی کا کہنا ہے کہ کاروبار میں اصل اباحت سے کوئی انکار نہیں، لیکن جب شریعت کسی کاروبار کو خاص طور پر منع کر دے، تو وہ اصل اباحت سے نکل کر حرام ہو جاتا ہے۔اس بات سے کوئی ایک مسلمان بھی اختلاف نہیں کرتا۔

بیع تقسیط کی حرمت :

فریق ثانی کے بقول بیع تقسیط، یعنی نقد وادھار کا فرق شریعت نے منع قرار دیا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

«نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ» .

''رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَلَهٗ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا» .

''جو شخص ایک بیع میں دو سودے کرے، اس کے لیے یا تو کم قیمت لینا جائز ہے یا پھر وہ سود لے گا۔''(سنن أبي داوٗد، كتاب البيوع، أبواب الإجارة، باب فيمن باع بيعتين في بيعة :3461، وسندهٗ حسنٌ)

فرمانِ نبوي کا صحیح مفہوم :

اس فرمانِ نبوی میں ایک بیع میں دو سودے کرنے سے کیا مراد ہے؟ فریقِ ثانی کا کہنا ہے کہ اس کی اگرچہ کئی تفسیریں ہیں، لیکن صحابہ وتابعین اور ائمہ دین کے فتاویٰ جات کی روشنی میں نقد وادھار کا فرق بھی بیع کی انہی اقسام میں شامل ہے، جو اس حدیث کی وجہ سے حرام قرار پاتی ہیں۔ ان سب فتاویٰ جات کو ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا، شائقین تفصیل کے لیے ماہنامہ الحدیث حضرو کا شمارہ نمبر 40 ملاحظہ فرمالیں۔

اسلافِ امت دراصل کیا کہتے ہیں ؟

فریقِ اوّل کہتا ہے کہ فریقِ ثانی کے ذکر کردہ صحابہ وتابعین اور ائمہ دین کے فتاویٰ جات بلاشبہ معتبر ہیں، لیکن ان کی اصل مراد کو نہیں سمجھا گیا۔ یہ فتاویٰ جات تو الٹا انہی کی دلیل بنتے ہیں، کیونکہ ان سب میں ابہام کی صورت کو ایک بیع میں دو سودے قرار دے کر ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے کوئی فتویٰ ایسا نہیں، جس میں نقد وادھار میں سے ایک پر سودا طے ہو جانے کی صورت میں بھی ناجائز یا سود قرار دیا گیا ہو۔ جب کوئی بیچنے والا کہے کہ نقد لاکھ کا اور ادھار سوا لاکھ کا اور اسی پر سودا ہو جائے، تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ ایک بیع میں دو سودے ہیں، جو حرام ہی ہیں، لیکن جب خریدنے والا کہے کہ میں ادھار ہی خریدنا چاہتا ہوں اور بیچنے والا اسے بتائے کہ ادھار کی صورت میں اسے سوا لاکھ روپے ادا کرنا پڑیں گے، تو ایک بیع میں دو سودے ہوئے ہی نہیں، صرف ایک ہی ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ معلوم مدت، مثلاً تین سال میں ادائیگی کی صورت میں چیز کی قیمت سوا لاکھ روپے ہے۔

فریقِ اوّل کے بقول اصل غلطی یہی ہوئی کہ ائمہ اسلاف کے فتاویٰ جات، جو کہ ابہام میں سودا طے ہونے کے متعلق تھے، انہیں ادھار طے ہونے والی صورت پر بھی منطبق کر دیا گیا۔

فریقِ ثانی اور تحقیق میں دیانتداری :

فریقِ اوّل کے بقول فریقِ ثانی کے بعض افراد نے اس سلسلے میں کئی مقامات پر دیانتداری کا دامن بھی ہاتھ سے چھوڑا ہے، مثلاً؛

① جن اسلاف کا یہ کہنا تھا کہ نقد وادھار کا فرق ذکر کر کے اسی پر سودا کرنا منع ہے، لیکن اگر ادھار پر معاملہ طے ہو جائے، تو کوئی حرج نہیں، انہوں نے ان کے وہ اقوال لے لیے جن سے اپنا مطلب نکل سکتا تھا اور جن الفاظ سے ان کے موقف کی تردید ہوتی تھی، ان کو ہڑپ کر گئے، مثلاً؛

امام ترمذی رحمہ اللہ کا موقف :

❀ امام ترمذی رحمہ اللہ کی صرف اتنی عبارت ذکر کی گئی :

[حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوا : بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ أَنْ يَّقُولَ : أَبِيعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشَرَةٍ، وَبِنَسِيئَةٍ بِعِشْرِينَ .

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے اور اس حدیث کی تفسیر میں بعض اہل علم نے کہا کہ ایک چیز میں دو بیعوں کا معنیٰ یہ ہے کہ آدمی کہے : میں تجھے یہ کپڑا نقد دس کا اور ادھار بیس کا بیچتا ہوں۔

(سنن الترمذی بعد حدیث :1231)]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس سے آگے کیا فرمایا ہے، ذرا ملاحظہ فرمائیں؛

وَلَا يُفَارِقُهُ عَلٰى أَحَدِ الْبَيْعَيْنِ، فَإِذَا فَارَقَهُ عَلٰى أَحَدِهِمَا؛ فَلَا

بَأْسَ إِذَا كَانَتِ الْعُقْدَةُ عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمَا .

''یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب خریدنے والا بیچنے والے سے نقد یا ادھار میں سے کسی ایک معاملے کو طے کر کے جدا نہ ہو۔ اگر وہ کوئی ایک معاملہ طے کر کے جدا ہوا ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جب نقد و ادھار میں سے کسی ایک پر ہی سودا طے ہو جائے (تو ایک بیع میں دو سودے ہوئے ہی نہیں)۔''

فریقِ ثانی کی ذکر کردہ عبارت سے متصل یہ الفاظ چونکہ ان کے موقف کی تردید کرتے تھے، لہٰذا ان کو حذف کر دیا گیا، حالانکہ ان کے بغیر عبارت مکمل ہی نہیں ہوتی۔

امام بغوی رحمہ اللہ کا فیصلہ :

❀❀ انہی افراد کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں :

[امام بغوی فرماتے ہیں : وَقَوْلُهٗ : وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ، فَهُوَ أَنْ يَّقُولَ : بِعْتُكَ هٰذَا الْعَبْدَ بِأَلْفٍ نَقْدًا، أَوْ بِأَلْفَيْنِ نَسِيئَةً، فَمَعْنَاهُ مَعْنَى الْبَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ .

نبی ﷺ کا فرمان : ایک سودے میں دو شرطیں جائز نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یوں کہے : میں تجھے یہ غلام نقد ایک ہزار میں اور ادھار دو ہزار میں فروخت کرتا ہوں، اس کا معنی ''البيعتين في بيعة'' کا معنی ہے (یعنی اس حدیث کا یہی مفہوم ہے)۔ (شرح السنۃ ۸/۱۴۵ ح ۲۱۱۲)]

یہ عبارت بتا رہی ہے کہ اگر نقد و ادھار میں سے کوئی معاملہ طے نہ ہو، تو یہ ناجائز ہے، اس سے یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ اگر ادھار پر معاملہ طے ہو جائے، تو یہ سود ہو گا؟ آیئے امام بغوی رحمہ اللہ (م: 516ھ) کی اس عبارت سے صرف دو صفحات پیچھے سے پڑھتے ہیں، فرماتے ہیں :

وَفَسَّرُوا الْبَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ عَلٰى وَجْهَيْنِ؛ أَحَدُهُمَا أَنْ يَّقُولَ : بِعْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِعَشْرَةٍ نَقْدًا، أَوْ بِعِشْرِينَ نَسِيئَةً إِلٰى شَهْرٍ، فَهُوَ فَاسِدٌ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، لِأَنَّهٗ لَا يُدْرٰى أَيُّهُمَا الثَّمَنُ، وَجَهَالَةُ الثَّمَنِ تَمْنَعُ صِحَّةَ الْعَقْدِ، وَقَالَ طَاوُسٌ : لَا بَأْسَ بِهٖ، فَيَذْهَبُ بِهٖ عَلٰى أَحَدِهِمَا، وَبِهٖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ، وَالْحَكَمُ، وَحَمَّادٌ، وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ : لَا بَأْسَ بِهٖ، وَلٰكِنْ لَّا يُفَارِقُهٗ حَتّٰى يُبَاتَّهٗ بِأَحَدِهِمَا، فَإِنْ فَارَقَهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ، فَهُوَ لَهٗ بِأَقَلِّ الثَّمَنَيْنِ إِلٰى أَبْعَدِ الْأَجَلَيْنِ، أَمَّا إِذَا بَاتَّهٗ عَلٰى أَحَدِ الْأَمْرَيْنِ فِي الْمَجْلِسِ، فَهُوَ صَحِيحٌ بِهٖ، لَا خِلَافَ فِيهِ .

”سلف صالحین نے ایک بیع میں دوسودے کرنے کی تفسیر یہ کی ہے کہ بیچنے والا کہے: میں یہ کپڑا نقد ادائیگی پر دس میں اور ایک ماہ کے ادھار پر بیس میں بیچتا ہوں۔ یہ صورت اکثر اہل علم کے نزدیک فاسد ہے، کیونکہ اس میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اصل قیمت کون سی ہے؟ قیمت کا نامعلوم ہونا اس معاملے کو صحیح نہیں رہنے دیتا۔ امام طاوس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر نقد و ادھار میں سے کسی ایک معاملے کو طے کرلیا جائے، تو کوئی حرج نہیں۔ امام ابراہیم نخعی، حکم بن عتیبہ اور حماد بن ابوسلیمان رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نقد وادھار کی قیمت میں فرق جائز ہے، لیکن خریدنے والا اس وقت تک بیچنے والے سے جُدا نہ ہو، جب تک نقد وادھار میں کوئی ایک معاملہ طے نہ کر

لیا جائے۔اگر اس سے پہلے جُدا ہو گیا،تو پھر کم قیمت اور زیادہ مدت پر معاملہ طَے ہو گا(اس کی سند نہیں مل سکی،البتہ یہ قول امام طاؤس رحمہ اللہ سے ثابت ہے، چند سطروں بعد اسے پیش کیا جا رہا ہے۔ناقل)۔البتہ اگر نقد و ادھار میں سے کسی ایک معاملے کو اسی مجلس میں طَے کر لیا جائے،تو اس کے درست ہونے میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں۔''(شرح السنة : 143/8)

معلوم ہوا کہ امام بغوی رحمہ اللہ تو نقد و ادھار میں سے ایک معاملہ طَے ہونے کی صورت میں بیع کے جواز پر اجماع نقل کر رہے ہیں اور بعض لوگ یہ ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ وہ ادھار کے بدلے میں قیمت کے اضافے کو حرام اور سود قرار دیتے تھے۔**العیاذ باللّٰہ!**

امام طاؤس رحمہ اللہ کا فتویٰ :

❀❀❀ امام طاؤس رحمہ اللہ کا جو قول انہوں نے پیش کیا،وہ ان کے موقف کی تردید اور فریقِ اوّل کی تائید میں بالکل واضح تھا،انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں :

[امام طاؤس کہتے ہیں: إِذَا قَالَ : هُوَ بِكَذَا وَكَذَا إِلٰى كَذَا وَكَذَا، وَبِكَذَا وَكَذَا إِلٰى كَذَا وَكَذَا، فَوَقَعَ الْبَيْعُ عَلٰى هٰذَا، فَهُوَ بِأَقَلِّ الثَّمَنَيْنِ إِلٰى أَبْعَدِ الْأَجَلَيْنِ . جب آدمی یوں کہے: فلاں چیز اتنی اتنی رقم کے ساتھ،اس اس طرح مدت تک اور اتنی اتنی رقم کے ساتھ،اس اس طرح مدت تک ہے،تو بیع واقع ہو جائے گی اور اس کے لیے دو قیمتوں میں سے کم قیمت ہو گی اور دو مدتوں میں سے دور کی مدت ہو گی۔ (مصنف عبد الرزاق ۸/۱۳۶ح ۱۴۶۳۱، وسندہ صحیح)]

اس عبارت کے ترجمے میں بھی غلطی کی گئی ہے۔ فَوَقَعَ الْبَيْعُ عَلٰى هٰذَا کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ''تو بیع واقع ہو جائے گی۔'' حالانکہ اصل ترجمہ یہ ہے:

”اور اسی (نقد یا ادھار کے ابہام) پر بیع واقع ہو جائے، تو۔۔۔“

یعنی امام طاؤس رحمہ اللہ کا یہ قول بالکل واضح ہے کہ اگر بیچنے والا نقد و ادھار دونوں قیمتیں بتائے اور خریدنے والا کوئی ایک قیمت طے نہ کرے اور اسی مبہم طریقے سے بیع واقع ہو جائے، تو پھر یہی ہوگا کہ سب سے کم قیمت اور سب سے زیادہ مدت سمجھی جائے گی، لیکن اگر بیچنے والا نقد و ادھار دونوں قیمتیں بتا دے اور باہمی رضامندی سے ادھار طے ہو جائے، تو یہ صورت وہ نہیں ہوگی، جس کے بارے میں امام طاؤس رحمہ اللہ یہ فرما رہے ہیں کہ:

فَوَقَعَ الْبَيْعُ عَلٰى هٰذَا .

عظیم تابعی، امام طاؤس رحمہ اللہ کے اس قول کی صحیح مراد تک پہنچنے کے لیے ہم محولہ بالا کتاب ہی سے انہی کا ایک اور قول پیش کر دیتے ہیں، جو مذکورہ بالا قول سے چند سطریں پیچھے موجود ہے۔ امام طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا بَأْسَ بِأَنْ يَّقُولَ : أَبِيعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِعَشَرَةٍ إِلٰى شَهْرٍ، أَوْ بِعِشْرِينَ إِلٰى شَهْرَيْنِ، فَبَاعَهُ عَلٰى أَحَدِهِمَا قَبْلَ أَنْ يُّفَارِقَهُ؛ فَلَا بَأْسَ بِهٖ .

”یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ میں تجھے یہ کپڑا مہینے کے ادھار پر دس میں اور دو مہینوں کے ادھار پر بیس میں فروخت کرتا ہوں اور پھر جدا ہونے سے پہلے اسے کسی ایک معین قیمت پر فروخت کر دے، تو اس میں کوئی بھی حرج نہیں۔“

(مصنّف عبد الرزّاق : 136/8، وسندہٗ صحیحٌ)

کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام طاؤس رحمہ اللہ ادھار کی صورت میں بڑھنے والی رقم کو سود سمجھتے تھے؟

بے احتیاطی اور امام شافعی رحمہ اللہ کا اصل موقف :

② فریقِ اوّل کو یہ بھی شکوہ ہے کہ فریقِ ثانی کے بعض محققین نے اس مسئلے میں تحقیق کے اسلوب کو بالائے طاق رکھا ہے۔ مثلاً بعض اہل علم نے لکھا ہے:

[امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَنْ يَّقُولَ : بِعْتُكَ بِأَلْفَيْنِ نَسِيئَةً، بِأَلْفٍ نَقْدًا، فَأَيُّهُمَا شِئْتَ أَخَذْتَ بِهٖ، وَهٰذَا بَيْعٌ فَاسِدٌ۔۔۔، وَعِلَّةُ النَّهْيِ عَلَى الْأَوَّلِ عَدَمُ اسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ، وَلُزُومُ الرِّبَا عِنْدَ مَنْ يَّمْنَعُ بَيْعَ الشَّيْءِ بِأَكْثَرَ مِنْ سِعْرِ يَوْمِهٖ لِأَجْلِ النَّسِيئَةِ .

آدمی یوں کہے: میں تجھے یہ چیز دو ہزار میں ادھار بیچتا ہوں اور نقد ایک ہزار میں۔ تمہیں جس طرح پسند ہو لے لو، تو بیع فاسد ہے اور اس سے منع کی علت یہ ہے کہ اس چیز کی قیمت مقرر نہیں کی گئی اور پھر اس میں سود ہے، اس شخص کے ہاں جو ادھار کی وجہ سے اس کے دن کے بھاؤ سے زیادہ قیمت لیتا ہے۔

(الام للشافعی/مختصر المزنی ص ۸۸، سبل السلام، البیوع باب شروطہ وما نھی عنہ واللفظ لہ ص ۵۵۲ تحت ح ۷۹۱)]

یہ عبارت نقل کرتے وقت انتہائی بے احتیاطی برتی گئی ہے۔ ایک تو اس طرح کہ یہ عبارت فریقِ ثانی کے موقف کے بالکل برعکس ہے، مزنی نے امام شافعی رحمہ اللہ سے جو نقل کیا ہے، وہ یوں ہے:

بَابُ الْبَيْعِ بِالثَّمَنِ الْمَجْهُولِ ۔۔۔،

(قَالَ الشَّافِعِيُّ) : ۔۔۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، (قَالَ الشَّافِعِيُّ) : وَهُمَا وَجْهَانِ؛ أَحَدُهُمَا أَنْ يَّقُولَ : قَدْ بِعْتُك هٰذَا الْعَبْدَ بِأَلْفٍ نَقْدًا أَوْ بِأَلْفَيْنِ إِلٰى سَنَةٍ، قَدْ وَجَبَ لَك بِأَيِّهِمَا شِئْتُ أَنَا وَشِئْتَ أَنْتَ، فَهٰذَا بَيْعُ الثَّمَنِ، فَهُوَ مَجْهُولٌ.

''نامعلوم قیمت والی بیع کا بیان۔۔۔امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا۔اس کی دوصورتیں ہیں۔ایک یہ ہے کہ بیچنے والا کہے : میں تجھے یہ غلام نقد قیمت پر ایک ہزار میں،جبکہ سال کے ادھار پر دو ہزار میں فروخت کرتا ہوں۔ان میں سے جو میں چاہوں اور جو تُو چاہے،اس پر تیرے لیے یہ معاملہ واجب ہو گیا۔یہ قیمت والا معاملہ ہے،لیکن اس میں قیمت نامعلوم ہے(اس لیے یہ بیع فاسد ہے)۔''(مختصر المزني : 186/8)

یعنی امام شافعی رحمہ اللہ نے اس معاملے کو فاسد اس لیے کہا کہ نقد وادھار میں سے کسی کا تعین نہیں ہوا۔قیمت نقد کے حساب سے ہوگی یا ادھار کے حساب سے،اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔اسی ابہام کی وجہ سے بیع فاسد ہوئی،نہ کہ قیمت کی زیادت کی وجہ سے۔اگر ادھار پر معاملہ طے ہو جاتا،تو اس میں کوئی خرابی نہ ہوتی۔مزنی کی تبویب بھی یہی بتا رہی ہے کہ یہ معاملہ تب ہی ناجائز ہوگا،جب کوئی ایک بات طے نہیں ہوتی۔فریقِ ثانی کو اپنی یہ دلیل اپنے ہی خلاف پڑ گئی ہے،کیونکہ ان کا موقف ہے کہ اس بیع کے ناجائز ہونے کا سبب ادھار کے بدلے قیمت کا اضافہ ہے،نہ کہ قیمت کا عدمِ تعین۔

دوسری بے احتیاطی یہ ہے کہ اس عبارت میں علامہ صنعانی رحمہ اللہ کی بات کو شامل کر

کے اسے امام شافعی رحمہ اللہ کی بات قرار دے دیا گیا ہے۔علامہ صنعانی رحمہ اللہ نے واضح طور پر انتھی لکھ کر بتا دیا تھا کہ یہاں پر امام شافعی رحمہ اللہ کی بات ختم ہوگئی ہے اور آگے میرا اپنا تبصرہ ہے،لیکن ناقل نے اس بات کو [۔۔۔] کے نشان کے ساتھ حذف کر دیا اور علامہ صنعانی کے تبصرے کو بھی امام شافعی رحمہ اللہ کی عبارت میں شامل کر دیا۔

تیسری بے احتیاطی یہ کی گئی کہ علامہ صنعانی کی جو عبارت ،امام شافعی رحمہ اللہ سے منسوب کی گئی،اس کا ترجمہ بھی غلط کیا گیا ہے۔اگر اس کا صحیح ترجمہ ہو جاتا تو اصل بات سمجھ میں آ جاتی۔علامہ صنعانی کی عبارت کا ترجمہ یوں کیا گیا:

وَعِلَّةُ النَّهْيِ عَلَى الْأَوَّلِ عَدَمُ اسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ، وَلُزُومُ الرِّبَا عِنْدَ مَنْ يَّمْنَعُ بَيْعَ الشَّيْءِ بِأَكْثَرَ مِنْ سِعْرِ يَوْمِهٖ لِأَجْلِ النَّسِيئَةِ .

''اور اس سے منع کیعلت یہ ہے کہ اس چیز کی قیمت مقرر نہیں کی گئی اور پھر اس میں سود ہے،اس شخص کے ہاں جو ادھار کی وجہ سے اس کے دن کے بھاؤ سے زیادہ قیمت لیتا ہے۔''

حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہے:

پہلی صورت کے مطابق ممانعت کی علت (امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک) یہ ہے کہ قیمت کا تعین نہیں ہوا اور جو شخص ادھار کی وجہ سے چیز کا بھاؤ موجودہ بھاؤ سے بڑھا کر بیچنے سے منع کرتا ہے،اس کے نزدیک علت یہ ہے کہ اس طرح سود لازم آتا ہے۔''

یعنی علامہ صنعانی رحمہ اللہ کی یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس بیع کی ممانعت اس لیے نہیں کہ اس میں سود ہے، بلکہ صرف اس لیے ہے کہ نقد وادھار

میں سے کسی قیمت کا تعین نہیں ہوا۔سود کو اس بیع کے ممنوع ہونے کا سبب قرار دینے والا وہ شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ ادھار کی وجہ سے موجودہ بھاؤ سے زیادہ قیمت مقرر کرنا منع ہے۔ یہ شخص کون ہے؟اس کا تعین فریقِ ثانی ہی کی ذمہ داری ہے۔ہمیں تو اسلافِ امت میں سے کوئی ایک بھی اس موقف کا حامل نظر نہیں آیا۔

بہر حال اس بیع کی ممانعت کا سبب امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سود ہونا نہیں تھا، بلکہ عدمِ تعین ہی تھا۔آیئے امام شافعی رحمہ اللہ کی ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وَنَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ، وَمِنْهُ أَنْ أَقُولَ : سِلْعَتِي هٰذِهٖ لَك بِعَشَرَةٍ نَقْدًا، أَوْ بِخَمْسَةَ عَشَرَ إِلٰى أَجَلٍ، فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ بِأَحَدِ الثَّمَنَيْنِ، لِأَنَّ الْبَيْعَ لَمْ يَنْعَقِدْ بِشَيْءٍ مَّعْلُومٍ.

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔اس کی ایک قسم یہ ہے کہ میں کہوں: میرا یہ سامان تیرے لیے نقد میں دس کا یا ایک مدت کے ادھار میں پندرہ کا ہے۔یوں خریدار پر یہ بیع دو قیمتوں میں سے کسی ایک (نامعلوم) قیمت کے ساتھ پکی ہوگی، کیونکہ کسی معین چیز پر تو یہ بیع طے نہیں ہوئی۔“

(کتاب الأم : 305/7)

اگر اس کی ممانعت سود کی بنا پر ہوتی، تو امام صاحب اس کی ممانعت عدمِ تعین کو نہیں، بلکہ سود ہی کو بتاتے۔

معلوم ہوا کہ محققین اہل علم کا یہی فیصلہ ہے کہ نقد و ادھار میں سے کسی ایک پر معاملہ طے ہو جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، نہ ہی ادھار کی بنا پر قیمت میں اضافہ سود ہے۔

راویِ حدیث سماک بن حرب کا فہم کیا ہے؟

فریقِ ثانی کے بعض اہل علم نے لکھا ہے:

''اور مسند احمد میں سماک بن حرب کا یہی قول ہے۔(۱/ ۳۹۸) سماک بن حرب معروف ثقہ تابعی ہیں جنھوں نے اَسی (۸۰) صحابہ کرام کو پایا ہے اور اس حدیث کے راوی ہیں اور ان کی تفسیر وتوضیح اس مقام پر دوسرے لوگوں سے مقدم ہے۔اس لیے راویِ حدیث اپنی روایت کا مفہوم دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ جانتا ہے۔''

آیئے اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ سماک بن حرب رحمہ اللہ کا فہم کیا ہے:

❀ علامہ محمد بن علی، شوکانی رحمہ اللہ (1173-1250ھ) فرماتے ہیں:

فَسَّرَهُ سِمَاكٌ بِمَا رَوَاهُ الْمُصَنِّفُ عَنْ أَحْمَدَ عَنْهُ، وَقَدْ وَافَقَهُ عَلَى مِثْلِ ذٰلِكَ الشَّافِعِيُّ، فَقَالَ: بِأَنْ يَّقُولَ: بِعْتُكَ بِأَلْفٍ نَقْدًا أَوْ أَلْفَيْنِ إِلٰى سَنَةٍ، فَخُذْ أَيَّهُمَا شِئْتَ أَنْتَ وَشِئْتُ أَنَا، وَنَقَلَ ابْنُ الرِّفْعَةِ عَنِ الْقَاضِي أَنَّ الْمَسْأَلَةَ مَفْرُوضَةٌ عَلٰى أَنَّهُ قَبِلَ عَلَى الْإِبْهَامِ، أَمَّا لَوْ قَالَ: قَبِلْتُ بِأَلْفٍ نَقْدًا، وَبِأَلْفَيْنِ بِالنَّسِيئَةِ؛ صَحَّ ذٰلِكَ.

''اس کی تفسیر سماک بن حرب رحمہ اللہ نے وہ کی ہے، جو صاحبِ کتاب (منتقی الاخبار) نے امام احمد رحمہ اللہ کی روایت سے ذکر کی ہے۔امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اس سلسلے میں ان کی موافقت کی ہے۔وہ فرماتے ہیں: (ناجائز یہ ہے کہ) وہ کہے: میں نے یہ چیز نقد ایک ہزار کی اور سال کے ادھار پر دو ہزار کی بیچی۔

ان دونوں صورتوں میں سے جو تمہیں اور مجھے پسند ہے، اسے لے لو۔ابن رفعہ (احمد بن محمد شافعی، معاصر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ) نے قاضی (عیاض؟) سے نقل کیا ہے کہ یہ مسئلہ اس صورت میں ہے، جب وہ اسی ابہام وعدمِ تعین پر بیع قبول کر لے۔اگر وہ یہ کہہ دے کہ میں نے یہ چیز ایک ہزار میں نقد یا دو ہزار میں ادھار لی، تو یہ بالکل درست ہے۔" (نیل الأوطار : 180/5)

❁ شارحِ سنن ابو داؤد، علامہ، ابوطیب، شمس الحق، عظیم آبادی رحمہ اللہ (م: 1329ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْخَطَّابِيُّ : وَتَفْسِيرُ مَا نَهٰى عَنْهُ مِنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ عَلٰى وَجْهَيْنِ؛ أَحَدُهُمَا أَنْ يَّقُولَ : بِعْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ نَقْدًا بِعَشَرَةٍ، أَوْ نَسِيئَةً بِخَمْسَةَ عَشَرَ، فَهٰذَا لَا يَجُوزُ، لِأَنَّهٗ لَا يَدْرِي أَيُّهُمَا الثَّمَنُ الَّذِي يَخْتَارُهٗ مِنْهُمَا، فَيَقَعُ بِهِ الْعَقْدُ، وَإِذَا جَهِلَ الثَّمَنَ بَطَلَ الْبَيْعُ، انْتَهٰى، قُلْتُ : وَبِمِثْلِ هٰذَا فَسَّرَ سِمَاكٌ رَوَاهُ أَحْمَدُ.

"علامہ خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دوسودے کرنے سے جو منع فرمایا ہے، اس کی تفسیر دو طرح سے ہے؛ ایک تو یہ کہ بائع کہے: میں یہ کپڑا نقد دس کا اور ادھار پندرہ کا بیچتا ہوں۔یہ جائز نہیں، کیونکہ اسے یہ معلوم نہیں کہ خریدار ان میں سے کون سی قیمت منتخب کرے گا، تاکہ اسی قیمت پر معاملہ طے ہو۔جب قیمت نامعلوم ہوئی، تو بیع باطل ہوگئی۔ میں (عظیم آبادی) کہتا ہوں کہ سماک بن حرب رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کی یہی تفسیر کی ہے، اسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔"

(عون المعبود في شرح سنن أبي داوٗد : 238/9)

❀ شارحِ ترمذی، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ (م:1353ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ الْبَائِعُ : أَبِيعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشْرَةٍ وَّبِنَسِيئَةٍ بِعِشْرِينَ؛ فَقَالَ الْمُشْتَرِي : اشْتَرَيْتُهٗ بِنَقْدٍ بِعَشْرَةٍ، ثُمَّ نَقَدَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ، فَقَدْ صَحَّ هٰذَا الْبَيْعُ، وَكَذٰلِكَ إِذَا قَالَ الْمُشْتَرِي : اشْتَرَيْتُهٗ بِنَسِيئَةٍ بِعِشْرِينَ، وَفَارَقَ الْبَائِعَ عَلٰى هٰذَا؛ صَحَّ الْبَيْعُ، لِأَنَّهٗ لَمْ يُفَارِقْهُ عَلٰى إِيهَامٍ وَّعَدَمِ اسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ، بَلْ فَارَقَهٗ عَلٰى وَاحِدٍ مُّعَيَّنٍ مِنْهُمَا، وهٰذَا التَّفْسِيرُ قَدْ رَوَاهُ الْإِمَامُ أَحْمَدُ فِي رِوَايَتِهٖ عَنْ سِمَاكٍ ----.

''جب بائع کہے: میں تجھے یہ کپڑا نقد پر دس کا اور ادھار پر بیس کا دیتا ہوں اور مشتری کہہ دے: میں اسے نقد پر دس کا خریدتا ہوں، پھر دس درہم نقد دے بھی دے، تو یہ بیع درست ہو گی۔اسی طرح جب مشتری کہے: میں یہ کپڑا ادھار پر بیس کا خریدتا ہوں اور اسی معاملے پر وہ بائع سے جدا ہو جائے، تو یہ بیع بھی درست ہے، کیونکہ مشتری بائع سے کسی ابہام اور قیمت کے عدمِ تعین پر جدا نہیں ہوا، بلکہ نقد و ادھار میں سے ایک معین معاملے پر جدا ہوا ہے۔امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی روایت میں سماک بن حرب رحمہ اللہ سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔''

(تحفة الأحوذي : 4/358)

یعنی امام سماک بن حرب جو کہ اس حدیث کے راوی بھی ہیں، ان کا یہ موقف ہرگز نہیں جو فریقِ ثانی ثابت کرنا چاہتا ہے۔ان کا یہی موقف ہے اگر ابہام اور قیمت کے عدمِ تعین پر معاملہ طے ہوتا ہے، تو وہ ممنوع و حرام ہے، لیکن اگر کسی ایک معین قیمت پر بات

طے ہو جائے، تو وہ بالکل جائز ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن اسلاف نے یہ کہا ہے کہ ''نقد اتنے کا اور ادھار اتنے کا'' کی بیع منع ہے، محققین اہل علم نے ان کی مراد یہی بیان کی ہے کہ عدمِ تعین والا معاملہ جائز نہیں۔ معلوم نہیں کہ بعض متاخرین اہل علم نے متقدمین کے برعکس سلف کے اقوال کی یہ مراد کیوں لے لی؟

یہ ہے اُن اسلافِ امت کا صحیح موقف، جن کے مبہم اقوال سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ نقد وادھار کی قیمت میں فرق کرنا حدیث کی روشنی میں منع ہے اور ادھار کی صورت میں زیادہ قیمت مقرر کرنا سودی معاملہ ہے۔ انہی کے اقوال کو نقل کرنے کے بعد یہ لکھا گیا تھا:

> ''مذکورہ بالا ائمہ محدثین کی توضیحات سے واضح ہو گیا کہ نقد اور ادھار کے فرق پر بیع کرنا درست نہیں اور ادھار کی وجہ سے جو قیمت زائد لگائی جاتی ہے، وہ سود کی زمرے میں آتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان ((**فله أو كسهما أو الربا**)) کے مطابق واضح سود ہے۔''

حالانکہ یہ اقوال واضح طور پر فریقِ ثانی کے موقف کی تردید کر رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ اگر نقد یا ادھار میں سے کوئی ایک معاملہ طے ہو جائے، تو یہ ناجائز نہیں رہتا۔

مزید اسلافِ امت کے فتاوي جات :

یہاں پر ہم کچھ اور اہل علم کے اقوال بھی پیش کر رہے ہیں:

امام عطا بن ابو رباح رحمہ اللہ :

❀ عظیم المرتبت تابعی، امام عطا بن ابو رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا بَأْسَ أَنْ يَّقُولَ : هٰذَا الثَّوْبُ بِالنَّقْدِ بِكَذَا، وَبِالنَّسِيئَةِ بِكَذَا، وَيَذْهَبُ بِهٖ عَلٰى أَحَدِهِمَا .

''کوئی کہے کہ یہ کپڑا نقد میں اتنے کا اور ادھار میں اتنے کا ہے اور خریدار اسے کسی ایک قیمت پر لے جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 4/307، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ ایک دفعہ امام عطاء رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کوئی چیز خریدتا ہے، پھر کہتا ہے : میرے پاس اس کی نقد قیمت نہیں ہے، میں اسے (زیادہ قیمت پر) ادھار خرید سکتا ہوں۔ کیا یہ بیع درست ہے؟ تو فرمایا :

إِذَا صَارَ كَالْبَيْعِ اشْتَرَاهُ إِنْ شَاءَ .

''جب یہ معاملہ بیع کی طرح ہو (یعنی بائع کہے : ادھار کی قیمت یہ ہے)، تو اسے خرید سکتا ہے۔'' (مصنّف ابن أبي شيبة : 4/307، وسندهٗ حسنٌ)

امام زهري تابعي و امام قتاده تابعي رحمہما اللہ :

❁ مشہور تبع تابعی، امام معمر بن راشد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

أَبِيعُكَ بِعَشَرَةِ دَنَانِيرَ نَقْدًا، أَوْ بِخَمْسَةَ عَشَرَ إِلٰى أَجَلٍ۔۔۔، وَكَانَ الزُّهْرِيُّ وَقَتَادَةَ لَا يَرَيَانِ بِذٰلِكَ بَأْسًا؛ إِذَا فَارَقَهٗ عَلٰى أَحَدِهِمَا .

''(بائع اگر مشتری کو کہے کہ یہ چیز) میں تجھے نقد پر دس دینار میں اور ایک معین مدت کے ادھار پر پندرہ میں فروخت کرتا ہوں۔ اگر نقد وادھار میں کسی ایک قیمت کے طے ہونے پر ان کی جدائی ہو، تو امام ابن شہاب زہری تابعی

اور امام قتادہ بن دعامہ تابعی رحمہ اللہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔"

(مصنّف عبد الرزّاق : 8/137، وسندهٌ صحيحٌ)

حکم بن عُتیبہ تابعي و حماد بن ابو سلیمان تابعي رحمہما اللہ:

✿ عظیم تبع تابعی، امیر المومنین فی الحدیث، امام شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ (م:160ھ) کا بیان ہے:

سَأَلْتُ الْحَكَمَ وَحَمَّادًا؛ عَنِ الرَّجُلِ يَشْتَرِي مِنَ الرَّجُلِ الشَّيْءَ، فَيَقُولُ : إِنْ كَانَ بِنَقْدٍ فَبِكَذَا، وَإِنْ كَانَ إِلٰى أَجَلٍ فَبِكَذَا، قَالَ : لَا بَأْسَ إِذَا انْصَرَفَ عَلٰى أَحَدِهِمَا، قَالَ شُعْبَةُ : فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِمُغِيرَةَ، فَقَالَ : كَانَ إِبْرَاهِيمُ لَا يَرٰى بِذٰلِكَ بَأْسًا إِذَا تَفَرَّقَ عَلٰى أَحَدِهِمَا.

"میں نے امام حکم بن عتیبہ تابعی اور حماد بن ابوسلیمان تابعی رحمہما اللہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو کسی سے کوئی چیز خریدتا ہے، تو بیچنے والا کہتا ہے: نقد اتنے میں اور اتنی مدت کے ادھار پر اتنے میں۔ان دونوں نے فرمایا: جب وہ نقد وادھار میں سے کسی ایک معاملے پر جدا ہوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(امام شعبہ فرماتے ہیں:) میں نے یہ بات مغیرہ بن مقسم سے بیان کی، تو انہوں نے کہا : امام ابراہیم نخعی تابعی رحمہ اللہ بھی اس میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے، اگر بائع اور مشتری نقد وادھار میں سے کسی ایک معاملے پر جدا ہوتے۔"

(مصنّف ابن أبي شيبة : 4/307، وسندهٌ صحيحٌ إلى شعبة)

امام دار الهجره، مالك بن انس رحمہ اللہ:

امام مدینہ، مالک بن انس رحمہ اللہ (93-179ھ) نے ایک بیع میں دو سودے کرنے

سے ممانعت والی حدیث کی تفسیر میں تین صورتیں ذکر کی ہیں؛ مؤطا کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اس بارے میں لکھا ہے:

وَقَدْ فَسَّرَ مَالِكٌ مَّذْهَبَهٗ فِي مَعْنَى النَّهْيِ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ وَّاحِدَةٍ، وَأَنَّ ذٰلِكَ عِنْدَهٗ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ؛ أَحَدُهَا الْعِينَةُ، وَالثَّانِي أَنَّهٗ يَدْخُلُهٗ مَعَ الطَّعَامِ مِنْ جِنْسٍ وَّاحِدٍ مُّتَفَاضِلًا، وَالثَّالِثُ أَنَّهٗ مِنْ بُيُوعِ الْغَرَرِ.

''امام مالک رحمہ اللہ نے ایک بیع میں دو سودے کرنے کی ممانعت والی حدیث کے معنیٰ و مفہوم میں اپنا مذہب واضح کر دیا ہے۔ان کے نزدیک اس کی تین صورتیں ہیں؛ ایک صورت بیع عینہ (کسی سے کوئی چیز زیادہ قیمت میں ادھار خرید کر اسی کو کم قیمت میں نقد بیچ دینا)، دوسری صورت ایک ہی قسم کے غلے کا کمی وبیشی کے ساتھ تبادلہ کرنا اور تیسری صورت بیع غرر (دھوکے کی بیع) ہے۔''

(الاستذکار: 6/450)

نقد و ادھار کا فرق ان تینوں قسموں میں سے صرف اور صرف بیع غرر پر منطبق ہوتا ہے۔ بیع غرر اس بیع کو کہتے ہیں، جس میں کسی قسم کا کوئی ابہام ہو۔ چیز نامعلوم ہو یا قیمت، بیع غرر ہی کے زمرے میں آتی ہے۔ کسی ایک قیمت کے تعین کی صورت میں نقد و ادھار کے فرق کو بیع غرر نہیں کہا جا سکتا۔

معلوم ہوا کہ دیگر اسلاف کی طرح امام مالک رحمہ اللہ بھی کسی ایک قیمت کے تعین پر اس بیع کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے۔

امام اہل سنت، احمد بن حنبل رحمہ اللہ :

امام اہل سنت، احمد بن حنبل رحمہ اللہ (164-241ھ) سے ان کے بیٹے ابو الفضل

صالح رحمہ اللہ نے پوچھا:

اَلرَّجُلُ يَبِيعُ الْمَتَاعَ، فَيَقُولُ: أَبِيعُكَ بِالنَّقْدِ بِأَلْفٍ، وَإِلٰى شَهْرٍ بِأَلْفٍ وَّمِائَةٍ، وَإِلٰى شَهْرَيْنِ بِأَلْفٍ وَّمِائَتَيْنِ.

''ایک شخص اپنا سامان یہ کہہ کر فروخت کرتا ہے: میں تجھے یہ سامان نقد میں ایک ہزار کا، ایک مہینے کے ادھار پر ایک ہزار ایک سو کا اور دو مہینے کے ادھار پر ایک ہزار دو سو کا بیچتا ہوں (تو اس کا کیا حکم ہے؟)۔''

اس پر امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

هٰذَا مَكْرُوهٌ إِلٰى أَنْ يُّفَارِقَهٗ عَلٰى أَحَدِ الْبُيُوعِ.

''یہ مکروہ ہے، الا یہ کہ خریدنے والا بیچنے والے سے کوئی ایک معاملہ طے کر کے جدا ہو۔''

(مسائل الإمام أحمد برواية ابنه عبد الله: 378/1، رقم المسئلة: 353)

امام ابن المنذر رحمہ اللہ:

امام، محمد بن ابراہیم، ابن منذر نیشاپوری رحمہ اللہ (242-319ھ) نے اس حدیث کی شرح میں امام طاؤس، حکم بن عتیبہ اور حماد بن ابوسلیمان کا قول ذکر کیا ہے کہ اگر بائع و مشتری کے جدا ہونے سے قبل نقد و ادھار میں سے ایک چیز طے ہو جائے، تو پھر یہ بیع جائز ہے۔

(الإشراف على مذاهب العلماء: 42/6)

ائمہ لغت وشارحین حدیث ائمہ دین:

آیئے اب ائمہ لغت اور شارحین حدیث ائمہ دین سے بھی اس حدیث کا صحیح معنیٰ و مفہوم دریافت کرتے ہیں۔

امام ابو عُبَید قاسم بن سلام رحمہ اللہ :

❀ دورِ اوّل کے عظیم فقیہ و محدث اور ماہر لغت ِحدیث، علامہ ابو عبید، قاسم بن سلام رحمہ اللہ (150-225ھ) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک بیع میں دو سودے کرنے کی ممانعت والی روایت کی شرح میں لکھتے ہیں :

صَفْقَتَانِ فِي صَفْقَةٍ رِبًا؛ مَعْنَاهُ أَنْ يَّقُولَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ : أَبِيعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِالنَّقْدِ بِكَذَا، وَبِالتَّأْخِيرِ بِكَذَا، ثُمَّ يَفْتَرِقَانِ عَلٰى هٰذَا الشَّرْطِ، وَمِنْهُ حَدِيثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ نَهٰى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَإِذَا فَارَقَهٗ عَلٰى أَحَدِ الشَّرْطَيْنِ بِعَيْنِهٖ، فَلَيْسَ بِبَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ .

''ایک چیز میں دو سودے کرنا سود ہے۔اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بیچنے والا خریدار سے کہے : میں تجھے یہ کپڑا نقد پر اتنے میں اور ادھار پر اتنے میں بیچتا ہوں۔ پھر وہ دونوں اسی (مبہم) شرط پر جدا ہو جائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا بھی یہی مطلب ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا ہے۔اگر خریدار بیچنے والے سے نقد و ادھار میں سے کسی ایک خاص شرط پر جدا ہو، تو یہ معاملہ ایک بیع میں دو سودوں والا ہے ہی نہیں۔''

(غریب الحدیث : 110/4)

حافظ ابو سلیمان خطابي رحمہ اللہ :

❀ حافظ، ابو سلیمان، خطابی رحمہ اللہ (319-388ھ) فرماتے ہیں :

وَتَفْسِيرُ مَا نُهِيَ عَنْهُ مِنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ عَلٰى وَجْهَيْنِ؛

أَحَدُهُمَا أَنْ يَّقُولَ بِعْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ نَقْدًا بِعَشْرَةٍ وَنَسِيئَةً بِخَمْسَةَ عَشَرَ، فَهٰذَا لَا يَجُوزُ لِأَنَّهٗ لَا يُدْرٰى أَيُّهُمَا الثَّمَنُ الَّذِي يَخْتَارُهٗ مِنْهُمَا، فَيَقَعُ بِهِ الْعَقْدُ، وَإِذَا جُهِلَ الثَّمَنُ بَطَلَ الْبَيْعُ .

''ایک بیع میں دوسودے کرنے سے منع کرنے والی حدیث کی دوتفسیریں کی گئی ہیں؛ ایک تو یہ ہے کہ بیچنے والا یوں کہے : میں تجھے یہ کپڑا نقد قیمت پر دس میں اور ادھار پر پندرہ میں دوں گا۔یہ صورت جائز نہیں،کیونکہ اس صورت میں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ خریدنے والا کون سی قیمت منتخب کرے گا۔اسی طرح ہی سودا طے ہو جاتا ہے،لیکن جب قیمت نامعلوم ہو،تو بیع فاسد ہوتی ہے۔''

(معالم السنن : 123/3)

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ :

❀ حافظ یوسف بن عبداللہ،ابن عبدالبر رحمہ اللہ (368-463ھ)فرماتے ہیں :

هٰذَا مِنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ عِنْدَ الْجَمِيعِ إِذَا افْتَرَقَا عَلٰى ذٰلِكَ .

''سب اہل علم کے نزدیک یہ صورت (کہ نقدا اتنے میں اور ادھارا اتنے میں) ایک بیع میں دوسودے کی اس وقت ہوگی جب بائع اور مشتری اسی (عدمِ تعین) پر جدا ہو جائیں۔''(الاستذکار : 450/6)

❀ نیز فرماتے ہیں :

وَمِمَّا نَهٰى عَنْهُ؛ بَيْعَتَانِ فِي بَيْعَةٍ، وَذٰلِكَ أَنْ يَّبِيعَ الرَّجُلُ سِلْعَةً بِخَمْسَةٍ نَّقْدًا، أَوْ عَشْرَةٍ إِلٰى أَجَلٍ، قَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ بِأَحَدِ

الثَّمَنَيْنِ، وَالْبَائِعُ بِالْخِيَارِ بِأَيِّ الثَّمَنَيْنِ شَاءَ أَوْجَبَ بِهٖ لِلْمُشْتَرِي، فَهٰذَا بَيْعٌ فَاسِدٌ، ـــ، فَإِنْ كَانَ الْبَيْعُ عَلٰى أَنَّ الْمُشْتَرِيَ بِالْخِيَارِ فِيهِمَا جَمِيعًا؛ بَيْنَ أَنْ يَأْخُذَ بِأَيَّتِهِمَا شَاءَ، وَبَيْنَ أَنْ يَرُدَّهُمَا جَمِيعًا؛ فَذٰلِكَ جَائِزٌ، وَلَيْسَ مِنْ بَابِ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، لِأَنَّ الْبَيْعَ هٰهُنَا نَافِذٌ، وَقَعَ عَلٰى شَيْءٍ بِعَيْنِهٖ، يَخْتَارُهٗ مِنْ شَيْئَيْنِ مَعْلُومَيْنِ، لَهُ الْخِيَارُ فِي أَحَدِهِمَا، وَالسِّلْعَةُ الْأُولٰى لَمْ يَقَعْ شِرَاؤُهَا عَلٰى شَيْءٍ بِعَيْنِهٖ بِقَطْعٍ أَوْ خِيَارٍ.

''رسول اللہ ﷺ نے جن بیوع سے منع فرمایا ہے،ان میں سے ایک وہ بیع ہے،جس میں دوسودے کیے گئے ہوں۔اس کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والا نقد میں پانچ کا اور ادھار میں دس کا بیچ رہا ہو،توان دونوں میں سے کسی ایک (نامعلوم) قیمت پرسودا ہوگا اور بیچنے والے کواختیار ہوگا کہ وہ جو قیمت چاہے گا،خریدنے والے کے ذمے لگائے گا۔یہ بیع فاسد ہے۔۔۔لیکن اگر یہ بیع اس طرح ہو کہ خریدار کو نقد یا ادھار میں سے کوئی ایک قیمت منتخب کرنے یا دونوں کو ردّ کرنے کا اختیار ہو،تو یہ جائز ہے اور ایک بیع میں دوسودوں کے زمرے میں نہیں آتی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بیع ایسے معین معاملے پر طے ہوئی ہے، جسے خریدار دو معلوم صورتوں میں سے پسند کرے گا اور اس کو ان دونوں میں سے کسی ایک کے منتخب کرنے کا مکمل اختیار ہے۔اس کے برعکس پہلے بیان کی گئی صورت میں چیز کی بیع کسی ایک طے شدہ معاملے یا خریدار کے اختیار پر واقع نہیں ہوئی تھی۔''(الكافي في فقه أهل المدينة : 2/739-740)

حافظ ابن اثیر جزري رحمہ اللہ :

❁ مشہور لغوی و اصولی اور محدث، علامہ مبارک بن محمد، ابن اثیر، جزری رحمہ اللہ (544-606ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :

نَهٰى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، هُوَ أَنْ يَّقُولَ : بِعْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ نَقْدًا بِعَشَرَةٍ وَّنَسِيئَةً بِخَمْسَةَ عَشَرَ، فَلَا يَجُوزُ؛ لِأَنَّهٗ لَا يُدْرٰى أَيُّهُمَا الثَّمَنُ الَّذِي يَخْتَارُهٗ لِيَقَعَ عَلَيْهِ الْعَقْدُ .

''نبی اکرم ﷺ نے ایک بیع میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا۔اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بیچنے والا کہے : میں نے تجھے یہ کپڑا نقد دس کا اور ادھار پندرہ کا بیچا۔ یہ صورت جائز نہیں، کیونکہ یہ معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ وہ کون سی قیمت منتخب کر رہا ہے تا کہ اس پر معاملہ طے ہو۔'' (النهاية في غريب الحديث والأثر : 173/1)

علامه ابن منظور افريقي رحمہ اللہ :

❁ علامہ، محمد بن مکرم، ابن منظور، افریقی رحمہ اللہ (630-711ھ) نے بھی اس حدیث کی شرح میں بالکل یہی بات لکھی ہے۔ (لسان العرب : 26/8)

معلوم ہوا کہ اگر نقد یا ادھار میں سے کوئی ایک صورت طے ہو جائے، تو کوئی ابہام نہیں رہتا اور خرید و فروخت درست ہو جاتی ہے۔

شيخ الاسلام ابن تيميه رحمہ اللہ :

❁ شیخ الاسلام، امام، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) کا تفصیلی فتویٰ تو شروع کے صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے، جہاں انہوں نے کتاب و سنت اور اجماع کی بنا پر اسے جائز کہا، البتہ یہاں ان کا ایک اور صریح قول پیش کیا جا رہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

فَإِنَّ الْأَجَلَ يَأْخُذُ قِسْطًا مِّنَ الثَّمَنِ .

''بلاشبہ مدت، قیمت میں اپنا حصہ رکھتی ہے۔''

(مجموع الفتاوٰی : 29/498-499)

علامہ عبد الرحمٰن مبارکپوري رحمہ اللہ :

شارحِ سنن ترمذی، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ (م:1353ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْبَائِعُ : أَبِيعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشْرَةٍ وَبِنَسِيئَةٍ بِعِشْرِينَ، فَقَالَ الْمُشْتَرِي : اشْتَرَيْتُهُ بِنَقْدٍ بِعَشْرَةٍ، ثُمَّ نَقَدَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ؛ فَقَدْ صَحَّ هٰذَا الْبَيْعُ، وَكَذٰلِكَ إِذَا قَالَ الْمُشْتَرِي : اشْتَرَيْتُهُ بِنَسِيئَةٍ بِعِشْرِينَ، وَفَارَقَ الْبَائِعَ عَلٰى هٰذَا؛ صَحَّ الْبَيْعُ، لِأَنَّهُ لَمْ يُفَارِقْهُ عَلٰى إِيهَامٍ وَّعَدَمِ اسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ، بَلْ فَارَقَهُ عَلٰى وَاحِدٍ مُّعَيَّنٍ مِّنْهُمَا .

''جب بیچنے والا خریدار سے کہے کہ میں تجھے یہ کپڑا نقد قیمت پر دس میں اور ادھار پر بیس میں دیتا ہوں اور خریدار یہ کہہ دے کہ میں اسے نقد دس میں خریدتا ہوں، پھر دس درہم نقد دے بھی دے، تو یہ بیع درست ہوگی۔ اسی طرح جب خریدار کہے کہ میں اس کپڑے کو ادھار پر بیس درہم میں خریدتا ہوں اور اسی معاملے پر وہ بیچنے والے سے جدا ہو جائے، تو یہ بیع بھی درست ہوگی، کیونکہ وہ کسی وہمی معاملے اور قیمت کے عدمِ تعین پر جدا نہیں ہوا، بلکہ ایک معین معاملے پر جدا ہوا ہے۔'' (تحفة الأحوذي : 4/358)

نواب صدیق حسن خان قنوجي رحمہ اللہ :

علامہ محمد صدیق خان بن حسن، قنوجی رحمہ اللہ (1248-1307ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا بَيْعُ الشَّيْءِ بِأَكْثَرَ مِنْ سِعْرِ يَوْمِهٖ مُؤَجَّلًا؛ فَأَقُولُ : الزِّيَادَةُ عَلٰى سِعْرِ يَوْمِ الْبَيْعِ لَيْسَتْ مِنَ الرِّبَا فِي وِرْدٍ وَلَا صَدْرٍ؛ لِأَنَّ الرِّبَا زِيَادَةُ أَحَدِ الْمُتَسَاوِيَيْنِ عَلَى الْآخَرِ، وَلَا تَسَاوِيَ بَيْنَ الشَّيْءِ وَثَمَنِهٖ، مَعَ اخْتِلَافِ جِنْسِهِمَا، فَلَا يَصِحُّ أَنْ يَّكُونَ تَحْرِيمُ هٰذِهِ الصُّورَةِ لِكَوْنِهَا رِبًا .

''رہا کسی چیز کو ایک مدت کے موجودہ بھاؤ سے مہنگی بیچنا، تو میں کہتا ہوں کہ یہ کسی دور میں بھی سود نہیں کہلایا، کیونکہ دو برابر کی چیزوں میں سے ایک کا دوسرے سے زائد ہونا سود کہلاتا ہے۔ یہاں چیز اور قیمت میں کوئی برابری نہیں ہوتی، مزید یہ کہ ان کی جنس بھی مختلف ہوتی ہے۔ لہٰذا اس صورت کو سود ہونے کی بنا پر حرام قرار دینا درست نہیں۔'' (الروضة النديّة شرح الدرر البهيّة : 106/2)

اکثر عرب علماءِ کرام :

اکثر عرب علماء کا مثلاً شیخ ابن باز، شیخ ابن عثیمین رحمہما اللہ وغیرہ یہی موقف ہے۔

صرف ادھار والا معاملہ کیوں منع ہے؟

یہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ مذکورہ حدیث، جسے مانعین اپنی دلیل بناتے ہیں، وہ تو صرف ایک بیع میں دو سودے کرنے سے منع کرتی ہے، لیکن یہ لوگ اس صورت کو بھی کیوں منع قرار دیتے ہیں کہ بیچنے والا کہے: میں صرف ادھار بیچتا ہوں اور اتنی قیمت لیتا ہوں؟ اس کی کوئی معقول وجہ پیش نہیں کی جاسکی۔

اس سلسلے میں علامہ محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ (1173-1250ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ غَايَةَ مَا فِيهَا الدَّلَالَةُ عَلَى الْمَنْعِ مِنَ الْبَيْعِ إِذَا وَقَعَ عَلٰى هٰذِهِ الصُّورَةِ، وَهِيَ أَنْ يَّقُولَ : نَقْدًا بِكَذَا، وَنَسِيئَةً بِكَذَا، لَا إِذَا قَالَ : مِنْ أَوَّلِ الْأَمْرِ : نَسِيئَةً بِكَذَا فَقَطْ، وَكَانَ أَكْثَرَ مِنْ سِعْرِ يَوْمِهٖ، مَعَ أَنَّ الْمُتَمَسِّكِينَ بِهٰذِهِ الرِّوَايَةِ يَمْنَعُونَ مِنْ هٰذِهِ الصُّورَةِ، وَلَا يَدُلُّ الْحَدِيثُ عَلٰى ذٰلِكَ، فَالدَّلِيلُ أَخَصُّ مِنَ الدَّعْوٰى .

''اس حدیث کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ اس صورت کی ممانعت ثابت ہوتی ہے کہ بیچنے والا یہ کہے: نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی۔جب وہ شروع ہی سے یہ کہے کہ میں ادھار دوں گا اور قیمت یہ ہوگی اور وہ قیمت موجودہ قیمت سے زیادہ ہو،تو یہ صورت اس حدیث سے منع نہیں ہوتی،لیکن اس حدیث سے دلیل لینے والے اس صورت کو بھی ممنوع قرار دیتے ہیں۔حالانکہ یہ حدیث اس بات کی دلیل نہیں بنتی۔یوں ان کا دعویٰ عام ہے،جبکہ دلیل خاص ہے۔''

(نیل الأوطار : 181/5)

فله أوكسهما أو الربا :

رہے حدیثِ نبوی کے وہ الفاظ جن سے بعض متاخرین کو یہ شبہ ہوا ہے کہ ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھانا سود ہے،تو ان الفاظ کی یہ مراد قطعاً نہیں۔

ایک تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس حدیث کی تمام سندوں میں صرف یہی بات مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دوسودے کرنے سے منع فرمایا ہے۔صرف ایک سند میں یہ اضافہ ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا،یا تو وہ کم قیمت پر معاملہ کرے گا یا پھر وہ سود

ہو گا۔اسی بنا پر بعض اہل علم نے ان الفاظ کو ''شاذ'' بھی قرار دے یا ہے۔لیکن حقیقت میں یہ سند بھی ''حسن'' ہے۔اسے ''شاذ'' یا ''ضعیف'' کہنا درست نہیں،البتہ اس صورتِ حال میں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ بیع تقسیط کے علاوہ بھی ایک بیع میں دو سودے کرنے کی کئی صورتیں موجود بھی ہیں،جنہیں فریقِ اوّل اور فریقِ ثانی یکساں تسلیم کرتے ہیں،ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ:

زید نے بکر کو ایک دینار پیشگی دیا کہ وہ اس کے بدلے ایک مہینے بعد ایک کلو گندم دے گا۔جب مہینہ گزرا تو زید نے بکر سے ایک کلو گندم کا مطالبہ کیا،لیکن بکر کہنے لگا کہ جو ایک کلو گندم تم نے مجھ سے لینی ہے، اسے ایک مہینے کے ادھار پر دو کلو گندم کے بدلے مجھے بیچ دو۔

یعنی ایک سودا پورا ہونے سے پہلے ہی اسی سودے میں دوسرا سودا کر لینا۔

حدیث کے زیر بحث الفاظ اسی صورت کے بارے میں ہیں۔اہل علم بھی یہی کہتے ہیں،جیسا کہ:

علامہ خطابی رحمہ اللہ کی تفسیر :

امام بیہقی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

قَرَأْتُ فِي كِتَابِ أَبِي سُلَيْمَانَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي تَفْسِيرِ هٰذَا الْحَدِيثِ، ـــكَأَنَّهٗ أَسْلَفَ دِينَارًا فِي قَفِيزِ بُرٍّ إِلٰى شَهْرٍ، فَلَمَّا حَلَّ الْأَجَلُ وَطَالَبَهٗ بِالْبُرِّ، قَالَ لَهٗ : بِعْنِي الْقَفِيزَ الَّذِي لَكَ عَلَيَّ بِقَفِيزَيْنِ إِلٰى شَهْرَيْنِ، فَهٰذَا بَيْعٌ ثَانٍ قَدْ دَخَلَ عَلَى الْبَيْعِ الْأَوَّلِ، فَصَارَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَيُرَدَّانِ إِلٰى أَوْكَسِهِمَا، وَهُوَ الْأَصْلُ، فَإِنْ

تَبَايَعَا الْبَيْعَ الثَّانِي قَبْلَ أَنْ يَّتَنَاقَضَا الْبَيْعَ الْأَوَّلَ؛ كَانَا مُرْبِيَيْنِ .

''میں نے ابوسلیمان (حافظ خطابی) رحمہ اللہ کی کتاب میں اس حدیث کی یہ تفسیر پڑھی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو ایک دینار پیشگی دیا تاکہ مہینے بعد گندم کا ایک قفیز (پیمانہ) لے سکے۔ جب وقت آیا اور اس نے گندم کا مطالبہ کیا، تو دوسرا شخص کہنے لگا: تم مجھے وہ گندم بیچ دو، جو مجھ سے لینی تھی اور اس کے بدلے دو مہینوں بعد دو قفیز گندم لے لینا۔ یہ دوسرا سودا ہے، جو پہلے سودے پر داخل ہو گیا ہے۔ یوں یہ ایک بیع میں دو سودے ہو گئے ہیں۔ ان دونوں سودوں کو کم، جو کہ اصل (ایک) ہے، کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اگر وہ پہلا سودا ختم ہونے سے پہلے دوسرا سودا کرتے ہیں، تو وہ سود والا معاملہ کریں گے۔''

(السنن الکبرٰی للبیهقي : 561/5، لسان العرب لابن منظور : 257/6، النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الأثير : 220/5)

علامه ابن قیم رحمہ اللہ کي تفسير :

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں:

وَالتَّفْسِيرُ الثَّانِي أَنْ يَّقُولَ أَبِيعُكَهَا بِمِائَةٍ إِلٰى سَنَةٍ عَلٰى أَنْ أَشْتَرِيَهَا مِنْكَ بِثَمَانِينَ حَالَّةً، وَهٰذَا مَعْنَى الْحَدِيثِ الَّذِي لَا مَعْنٰى لَهٗ غَيْرُهٗ، وَهُوَ مُطَابِقٌ لِّقَوْلِهٖ : «فَلَهٗ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا»، فَإِنَّهٗ إِمَّا أَنْ يَّأْخُذَ الثَّمَنَ الزَّائِدَ؛ فَيُرْبِي، أَوِ الثَّمَنَ الْأَوَّلَ، فَيَكُونَ هُوَ أَوْكَسَهُمَا، وَهُوَ مُطَابِقٌ لِّصَفْقَتَيْنِ فِي صَفْقَةٍ، فَإِنَّهٗ قَدْ جَمَعَ صَفْقَتَيِ النَّقْدِ وَالنَّسِيئَةِ فِي صَفْقَةٍ وَّاحِدَةٍ وَّمَبِيعٍ وَّاحِدٍ، وَهُوَ

قَصْدُ بَيْعِ دَرَاهِمَ عَاجِلَةٍ بِدَرَاهِمَ مُؤَجَّلَةٍ أَكْثَرَ مِنْهَا، وَلَا يَسْتَحِقُّ إِلَّا رَأْسَ مَالِهِ، وَهُوَ أَوْكَسُ الصَّفْقَتَيْنِ، فَإِنْ أَبٰى إِلَّا الْأَكْثَرَ؛ كَانَ قَدْ أَخَذَ الرِّبَا.

''اس حدیث کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے: میں تجھے یہ چیز ایک سال کے ادھار پر سو درہم میں بیچتا ہوں، اس شرط پر کہ ابھی میں تم سے یہی چیز اسی درہم میں خریدوں گا۔اس (اضافی الفاظ والی) حدیث کا یہی معنیٰ ہے،اس کے علاوہ کوئی معنیٰ نہیں اور یہی معنیٰ نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کے مطابق ہے کہ وہ کم قیمت پر فروخت کرے گا یا سود لے گا۔کیونکہ بیچنے والے کے پاس دو راستے ہیں؛ یا تو وہ زائد قیمت لے، جو کہ سود ہے یا پھر پہلی قیمت، جو کہ کم ہے، وہ لے۔یہی چیز ایک بیع میں دو سودے والی ہے، کیونکہ اس نے ایک بیع میں دو سودے جمع کر لیے ہیں۔دراصل اس معاملے کے ذریعے وہ پیشگی درہموں کے بدلے تاخیر سے زیادہ درہم دینا چاہتا ہے، حالانکہ وہ صرف اپنے سرمایہ کا مستحق ہے اور یہی دو سودوں میں سے کم قیمت والا سودا ہے۔اگر وہ زیادہ لینے پر ہی اصرار کرے،تو پھر وہ سود ہی لے گا۔''

(تہذیب السنن مع عون المعبود : 247/9)

شارحِ ترمذي ابن رسلان :

شارحِ جامع ترمذی، شیخ عبد الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے ابن رسلان (م : 844ھ) سے بھی یہی معنیٰ نقل کیا ہے۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسلافِ امت میں سے کسی نے چیز کی ادھار میں زائد قیمت کو سود نہیں کہا۔اگر حدیثِ نبوی کی یہ مراد ہوتی،تو ائمہ محدثین ضرور اس سے واقف ہوتے۔

اگر کوئی اصرار کرے کہ ان الفاظ کا تعلق نقد و ادھار کے فرق سے بھی ہے،تو پھر بھی یہ تعلق اس صورت میں ہوگا، جب نقد وا دھار میں سے کوئی چیز طے نہیں ہوتی، بلکہ ابہام میں ہی سودا طے ہو جاتا ہے۔اگر نقد وادھار میں سے کوئی ایک طے ہو جائے،تو پھر ایک بیع میں دو سودے ہوئے ہیں نہیں، بلکہ ایک ہی سودا ہوا ہے،جو بالکل جائز ہے۔

حدیث کے الفاظ اور سلف صالحین کا فہم یہی بتاتا ہے اور گزشتہ صفحات میں اس کا ذکر تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔

قیمت کا عدم تعین ھی ممانعت کا سبب ھے :

بعض لوگ یہ کہتے ہیں قیمت کا عدمِ تعین اس بیع کی ممانعت کا سبب نہیں۔ان کا یہ فہم ائمہ محدثین اور اسلافِ امت کے فہم کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ہم امام طاؤس،امام زہری،امام قتادہ، امام حکم بن عتیبہ،امام حماد بن ابوسلیمان،امام شافعی،امام ترمذی، امام قاسم بن سلام،امام بغوی، حافظ ابن عبد البر،علامہ خطابی اور ابن اثیر جزری رحمہم اللہ وغیرہ سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ نقد وادھار میں سے کسی ایک قیمت کا عدمِ تعین ہی اس بیع کی ممانعت کا سبب ہے۔اسی لیے اگر نقد وادھار میں سے ایک کا تعین ہو جائے تو یہ معاملہ ان اہل علم کے نزدیک جائز ہو جاتا ہے۔اس کے خلاف اسلاف سے کچھ بھی ثابت نہیں۔جب سلف صالحین نے قیمت کے عدمِ تعین کو ممانعت کا سبب سمجھا ہے،تو بعد والوں کو اپنی سمجھ اسی کے مطابق بنانی چاہیے۔

بعض نے لکھا ہے:

''اس جگہ بیع میں جہالت کا ہونا مضر نہیں ہے کیونکہ خریدار اور بائع بااختیار ہیں اور وہ دونوں ہی اگر دو قیمتوں میں سے ایک قیمت کا تعین کیے بغیر جدا ہو

جائیں اور بائع خریدار کو بعد میں ملے اور خریدار سے کہہ دے کہ مجھے ادھار منظور ہے اور وہ نقد پیسے اسے دے دے، تو اس صورت میں کوئی ایسی جہالت نہیں پائی جاتی، جو بیع کی صحت کے لیے مضر ہو۔''

بات بہت واضح تھی، لیکن اسے دھندلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر خرید وفروخت کا معاملہ اس طرح ہو کہ یہ کپڑا نقد دس کا اور ایک ماہ کے ادھار پر پندرہ کا ہے اور دونوں فریق بغیر نقد وادھار طے کیے جُدا ہو جائیں اور اگلے دن جب ملیں تو خریدنے والا کہے کہ میں جو کپڑا لے کر گیا تھا، وہ نقد پر تھا، یہ لو دس روپے اور بیچنے والا کہے کہ میں نے تو ادھار بیچا تھا، اس لیے میں دس نہیں لیتا، بلکہ ایک ماہ بعد پندرہ ہی لوں گا۔ تو بتائیے کہ کیا جہالت اس بیع میں فساد کا سبب بنی کہ نہیں؟

مختلف مکاتبِ فکر کے فقہاء کا نظریہ :

اب مختلف مسالک کے فقہاء کی صراحت بھی ملاحظہ فرمائیں :

امام طحاوي حنفي رحمہ اللہ :

امام ابوجعفر، احمد بن محمد بن سلامہ، طحاوی رحمہ اللہ (238-321ھ) ایک بیع میں دو شرطوں کے بارے میں بعض اہل علم کا موقف ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ، لِأَنَّهُ وَقَعَ بِثَمَنٍ مَجْهُولٍ .

''یہ بیع فاسد ہے، کیونکہ یہ نامعلوم قیمت پر واقع ہوئی ہے۔''

(شرح معاني الآثار : 47/4)

علامہ شیرازي شافعي رحمہ اللہ :

علامہ، ابو اسحاق، شیرازی، شافعی رحمہ اللہ (393-476ھ) فرماتے ہیں :

نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، فَيَحْتَمِلُ أَنْ يَّكُونَ الْمُرَادُ بِهٖ أَنْ يَّقُولَ : بِعْتُكَ هٰذَا بِأَلْفٍ نَّقْدًا أَوْ بِأَلْفَيْنِ نَسِيئَةً، فَلَا يَجُوزُ لِلْخَبَرِ، وَلِأَنَّهٗ لَمْ يَعْقِدْ عَلٰى ثَمَنٍ مَّعْلُومٍ .

''رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا ہے۔اس کی ایک مراد یہ ہو سکتی ہے کہ کوئی کہے : میں تجھے یہ چیز ایک ہزار میں نقد اور دو ہزار میں ایک سال کے ادھار پر فروخت کرتا ہوں۔مذکورہ حدیث کی وجہ سے یہ ناجائز ہے،اس لیے بھی کہ اس نے کسی معین قیمت پر معاملہ طے نہیں کیا۔''

(المهذّب في فقه الإمام الشافعي : 20/2)

علامه سرخسي حنفي رحمہ اللہ :

علامہ،محمد بن احمد،سرخسی،حنفی رحمہ اللہ (م:483ھ) لکھتے ہیں :

وَإِذَا عَقَدَ الْعَقْدَ عَلٰى أَنَّهٗ إِلٰى أَجَلٍ كَذَا بِكَذَا، وَبِالنَّقْدِ بِكَذَا، أَوْ قَالَ إِلٰى شَهْرٍ بِكَذَا، أَوْ إِلٰى شَهْرَيْنِ بِكَذَا، فَهُوَ فَاسِدٌ؛ لِأَنَّهٗ لَمْ يُعَاطِهٖ عَلٰى ثَمَنٍ مَّعْلُومٍ .

''جب کوئی اس صورت میں معاملہ کرے کہ اتنی مدت کے ادھار پر اتنی قیمت میں اور نقد اتنی قیمت میں یا ایک مہینے کے ادھار پر اتنی قیمت میں اور دو مہینوں کے ادھار پر اتنی قیمت میں،تو یہ بیع فاسد ہے،کیونکہ اس نے کسی معین قیمت پر معاملہ طے نہیں کیا۔''(المبسوط : 13/8)

علامه كاساني حنفي رحمہ اللہ :

علامہ،ابوبکر،مسعود بن احمد،کاسانی حنفی رحمہ اللہ (م:587ھ) لکھتے ہیں :

وَكَذَا إِذَا قَالَ : بِعْتُكَ هٰذَا الْعَبْدَ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ إِلٰى سَنَةٍ، أَوْ بِأَلْفٍ وَّخَمْسِمِائَةٍ إِلٰى سَنَتَيْنِ؛ لِأَنَّ الثَّمَنَ مَجْهُولٌ .

''اسی طرح (یہ بیع بھی فاسد ہے) جب کوئی کہے : میں نے تجھے یہ غلام سال کے ادھار پر ایک ہزار درہم میں یا دو سال کے ادھار پر پندرہ سو درہم میں بیچا، کیونکہ قیمت معلوم (معین) نہیں۔''(بدائع الصنائع : 158/5)

ابن قدامه مقدسي حنبلي رحمہ اللہ :

علامہ، عبد اللہ بن احمد، ابن قدامہ، مقدسی رحمہ اللہ (541-620ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ أَيْضًا بَاطِلٌ، وَهُوَ قَوْلُ الْجُمْهُورِ، لِأَنَّهٗ لَمْ يَجْزِمْ لَهٗ بِبَيْعٍ وَّاحِدٍ، فَأَشْبَهَ مَا لَوْ قَالَ : بِعْتُكَ هٰذَا أَوْ هٰذَا، وَلِأَنَّ الثَّمَنَ مَجْهُولٌ، فَلَمْ يَصِحَّ، كَالْبَيْعِ بِالرَّقْمِ الْمَجْهُولِ ـــ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ طَاوٗسٍ وَّالْحَكَمِ وَحَمَّادٍ أَنَّهُمْ قَالُوا : لَا بَأْسَ أَنْ يَّقُولَ : أَبِيعُكَ بِالنَّقْدِ بِكَذَا وَبِالنَّسِيئَةِ بِكَذَا، فَيَذْهَبُ عَلٰى أَحَدِهِمَا، وَهٰذَا مَحْمُولٌ عَلٰى أَنَّهٗ جَرٰى بَيْنَهُمَا بَعْدَ مَا يَجْرِي فِي الْعَقْدِ، فَكَأَنَّ الْمُشْتَرِيَ قَالَ : أَنَا آخُذُهٗ بِالنَّسِيئَةِ بِكَذَا، فَقَالَ : خُذْهُ، أَوْ قَدْ رَضِيتُ، وَنَحْوَ ذٰلِكَ، فَيَكُونُ عَقْدًا كَافِيًا .

''یہ بیع بھی باطل ہے، جمہور بھی یہی کہتے ہیں، کیونکہ اس میں کسی ایک معاملے کو طے نہیں کیا گیا۔ یہ ایسے ہی ہے، جیسے کوئی کہے : میں تمہیں یہ یا یہ چیز بیچتا ہوں۔ یہ اس لیے بھی باطل ہے کہ قیمت معین نہیں اور ایسے ہی ہے جیسے

نامعلوم قیمت پر بیع کی جا رہی ہو۔۔۔امام طاؤس،امام حکم اور حماد رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: اگر کوئی کہے: میں تجھے نقد اتنے میں، جبکہ ادھار اتنے میں دوں گا اور خریدار کسی ایک قیمت پر معاملہ طے کر لے،تو اس میں کوئی حرج نہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ سودا کرتے وقت بائع اور مشتری میں جو بحث وتکرار ہوتی ہے،اسی میں مشتری نے کہہ دیا کہ میں اسے اتنے میں ادھار لیتا ہوں اور بائع نے کہہ دیا: لے لو یا میں راضی ہوں وغیرہ،تو یہ سودا مکمل ہو جائے گا۔‘‘(المغني : 4/177)

حافظ نووي شافعي رحمہ اللہ :

حافظ، یحیٰ بن شرف،نووی،شافعی رحمہ اللہ (631-676ھ)فرماتے ہیں:

أَنْ يَّقُولَ بِعْتُكَ هٰذَا بِأَلْفٍ نَّقْدًا، أَوْ بِأَلْفَيْنِ نَسِيئَةً، فَلَا يَجُوزُ لِلْخَبَرِ، وَلِأَنَّهٗ لَمْ يَعْقِدْ عَلٰى ثَمَنٍ مَّعْلُومٍ.

’’کوئی کہے: میں نے تجھے یہ چیز نقد میں ایک ہزار کی اور ادھار میں دو ہزار کی بیچی،تو یہ اس حدیث کی وجہ سے جائز نہیں، نیز اس وجہ سے بھی کہ اس نے کسی معین قیمت پر معاملہ طے نہیں کیا۔‘‘(المجموع شرح المهذّب : 9/314)

خطيب شربيني شافعي رحمہ اللہ :

فقیہ ومفسر،محمد بن احمد،خطیب شربینی شافعی رحمہ اللہ (م:977ھ) فرماتے ہیں:

وَهُو بَاطِلٌ لِّلْجَهَالَةِ.

’’یہ بیع (قیمت کے) عدمِ تعین کی بنا پر فاسد ہے۔‘‘

(مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج : 2/381)

علامه دسوقي مالكي رحمه الله :

۞ علامہ، محمد بن احمد، دسوقی، مالکی رحمہ اللہ (م : 1230ھ) لکھتے ہیں :

وَإِنَّمَا مُنِعَ لِلْجَهْلِ بِالثَّمَنِ حَالَ الْبَيْعِ .

''یہ معاملہ اس لیے منع کیا گیا ہے کہ بیع کے وقت قیمت معلوم نہیں ہوتی۔''

(حاشية الدسوقي على الشرح الكبير : 58/3)

علامه شوكاني رحمه الله :

۞ علامہ محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ (1173-1250ھ) بھی فرماتے ہیں :

وَالْعِلَّةُ فِي تَحْرِيمِ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ عَدَمُ اسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ فِي صُورَةِ بَيْعِ الشَّيْءِ الْوَاحِدِ بِثَمَنَيْنِ .

''ایک بیع میں دو سودے کرنے سے ممانعت کا سبب یہ ہے کہ ایک چیز کی دو قیمتیں بتانے کی صورت میں قیمت متعین نہیں ہوتی۔''(نيل الأوطار : 181/5)

علامه شنقيطي :

۞ دورِ حاضر کے عرب محقق، محمد بن محمد مختار، شنقیطی لکھتے ہیں :

لَوْ قَالَ لَهُ : أَبِيعُكَ بِعَشْرَةٍ حَاضِرَةً وَّبِعِشْرِينَ إِلٰى أَجَلٍ، وَافْتَرَقَا قَبْلَ التَّحْدِيدِ، فَقَدْ أَدْخَلَا الصَّفْقَتَيْنِ فِي صَفْقَةٍ وَّاحِدَةٍ،---، أَمَّا لَوْ بَتَّ، وَاشْتَرٰى بِمِائَةٍ حَاضِرَةٍ أَوْ بِمِائَتَيْنِ إِلٰى أَجَلٍ، كَمَا هُوَ مَوْجُودٌ فِي بَيْعِ التَّقْسِيطِ، فَلَيْسَ هٰذَا بِبَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ أَوْكَسُهُمَا وَلَا الرِّبَا؛ وَلِأَنَّ الْعَقْدَ تَمَّ عَلٰى سِعْرٍ

مُّعَيَّنٍ، فَالسِّلْعَةُ قِيمَتُهَا حَاضِرَةً بِمِائَةٍ، وَقِيمَتُهَا إِلٰى أَجَلٍ بِمِائَتَيْنِ، سَتَشْتَرِيهَا بِمِائَةٍ حَاضِرَةٍ أَوْ بِمِائَتَيْنِ إِلٰى أَجَلٍ، فَهٰذَا لَيْسَ مِنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فِي شَيْءٍ، وَلَوْ قُلْنَا : إِنَّ كَوْنَهُ يُعْرَضُ عَلَيْهِ الْقِيمَتَيْنِ فِي الصَّفْقَةِ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ، لَدَخَلَتْ جَمِيعُ الْبُيُوعَاتِ فِي الْمُسَاوَمَاتِ؛ لِأَنَّهُ فِي الْمُسَاوَمَةِ يَقُولُ لَهُ : بِعْنِي بِعِشْرِينَ، فَيَقُولُ : لَا، بَلْ بِثَلَاثِينَ، كَمَا لَوْ قَالَ لَهُ : بِعْنِي بِعَشَرَةٍ حَاضِرَةً أَوْ بِعِشْرِينَ إِلٰى أَجَلٍ، فَالْمَعْنٰى فِي هٰذَا وَاضِحٌ .

''اگر بائع مشتری کو کہے : میں تجھے یہ چیز نقد پر دس میں اور ایک معین مدت تک ادھار میں بیس کی دوں گا اور وہ دونوں نقد و ادھار میں سے کسی چیز کو معین کیے بغیر جدا ہو جائیں، تو انہوں نے ایک بیع میں دو سودے کر دیے۔۔۔لیکن اگر آپ طے کر لیں اور گاہک نقد پر سو میں یا ادھار پر دو سو میں خرید لے، جیسا کہ بیع تقسیط میں ہوتا ہے، تو یہ ایک بیع میں دو سودے ہرگز نہیں، کیونکہ کسی ایک معین قیمت کا نہ تو کم حصہ موجود ہے نہ اس میں سود ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ خرید و فروخت کے معاملے کا اختتام ایک معین قیمت پر ہوا ہے۔نقد پر چیز کی قیمت ایک سو اور ادھار پر اس کی قیمت دو سو ہے۔آپ اس کو نقد پر سو کی یا معین مدت کے ادھار پر دو سو کی خرید لیں گے۔اس صورت کا ایک بیع میں دو سودوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔اگر ہم کہیں کہ سودا کرتے ہوئے اس

کی دو قیمتیں بولنا ہی بتا رہا ہے کہ یہ ایک بیع میں دو سودے ہیں، تو پھر خرید و فروخت کی تمام صورتیں اسی ممنوعہ قسم میں داخل ہو جائیں گی، مثلاً سودا کرتے ہوئے آپ کہتے ہیں: یہ چیز مجھے بیس کی بیچ دو، لیکن بائع کہتا ہے: نہیں، میں تو تیس میں دوں گا (یہ بھی تو ایک بیع میں دو قیمتیں ہوئیں)، بالکل اسی طرح ہو گا کہ اگر خریدار کہہ دے کہ مجھے نقد پر دس کی یا ادھار پر بیس کی دے دو۔ اس سلسلے میں بات خوب واضح ہو چکی ہے۔''

(شرح زاد المستقنع، باب الوكالة، حكم بيع الوكيل إلى أجل، الدرس : 6، نقلًا عن المكتبة الشاملة)

۞ نیز لکھتے ہیں:

وَبَيْعُ التَّقْسِيطِ؛ فِيهِ شِبْهُ إِجْمَاعٍ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ عَلٰى جَوَازِهِ .

''قسطوں کی بیع کے جائز ہونے پر گویا علماءِ کرام کا اجماع ہے۔'' (أيضًا)

ایک اور دلیل ... قرض پر نفع سود ہے :

بعض اہل علم نے ادھار کی صورت میں قیمت کے اضافے کو سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے اس اثر کی بنا بھی ناجائز کہا ہے کہ:

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً؛ فَهُوَ وَجْهٌ مِّنْ وُّجُوهِ الرِّبَا .

''جو قرض نفع حاصل کرے، وہ سود کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔''

(السنن الكبرٰى للبيهقي : 350/5، وسندهٗ صحيحٌ)

قرض اور بیع میں فرق ہے :

لیکن یہ استدلال ان کی فاش غلطی ہے، کیونکہ قرض اور بیع دونوں الگ الگ چیزیں

ہیں۔قرض سے نفع لینا جائز نہیں،جیسا کہ مذکورہ بالا اثر بتا رہا ہے،جبکہ بیع کی ہی اس لیے جاتی ہے کہ اس سے نفع حاصل ہو۔اس صورتِ حال میں اس اثر سے بھلا کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟

نیت اور الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے :

اگر کوئی عقلی طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ یہ معاملہ قرض پر نفع ہی کے مشابہ ہے،کیونکہ اس میں بھی مدت کی بنا پر نفع حاصل کیا جاتا ہے اور اس صورت میں بھی ایسے ہی کیا جاتا ہے،تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ بہت سی چیزیں عقلی طور پر ایک جیسی ہوتی ہیں،لیکن نیت اور الفاظ کے بدلنے سے ان کا حکم مختلف ہوتا ہے،مثلاً :

ایک شخص کسی سے کہتا ہے : مجھے دو دینار قرض دے دو،میں ایک ماہ بعد دو دینار لوٹا دوں گا،تو یہ بالکل درست عمل ہے،لیکن اگر وہ کہے : مجھے دو دینار بیچ دو،میں ایک ماہ بعد ان کی قیمت دو دینار کی صورت میں واپس کر دوں گا،تو یہ ناجائز اور حرام عمل ہوگا،کیونکہ رقم کی رقم کے ساتھ ادھار بیع شریعت کے مطابق سود ہوتی ہے۔

دیکھا آپ نے کہ دونوں صورتوں کا نتیجہ ایک ہی ہے،لیکن الفاظ اور نیت کے بدلنے سے حکم بالکل مختلف ہو گیا۔ایک صورت میں بالکل جائز اور دوسری صورت میں بالکل ناجائز اور سود۔بعینہٖ یہی معاملہ قرض اور بیع میں ادھار کی بنا پر نفع کا ہے۔فلیتدبّر!

اسلافِ امت کا فہم :

یہی وجہ ہے کہ متقدمین اہل علم کے پاس بھی یہ اثر پہنچا تھا،لیکن ان میں سے کسی نے اس کی بنا پر ادھار کے اضافے کو سود قرار نہیں دیا۔

انہوں نے اس کی کیا تفسیر کی،ملاحظہ فرمائیں :

امام قتادہ بن دعامہ تابعی رحمہ اللہ :

امام معمر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ امام قتادہ تابعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً؛ فَهُوَ مَكْرُوهٌ.

”ہر وہ قرض جو نفع حاصل کرے، وہ مکروہ (حرام) ہے۔“

(مصنّف عبد الرزّاق : 145/8، وسندہٗ صحیحٌ)

اور یہی امام معمر رحمہ اللہ انہی امام قتادہ رحمہ اللہ سے یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ نقد وادھار کے فرق کی صورت میں اگر ادھار طے ہو جائے، تو زیادہ قیمت لینا دینا جائز ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے۔

کیا امام قتادہ تابعی رحمہ اللہ کو اس کا صحیح معنیٰ معلوم تھا یا بعض متاخرین کو؟

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ :

امام اہل سنت، احمد بن حنبل رحمہ اللہ (164-241ھ) کے بیٹے ابو الفضل صالح رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

وَسَأَلْتُهُ عَنْ قَوْلِهِ : كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً؛ حَرَامٌ، ما مَعْنَاهُ ؟

”ہر وہ قرض جو نفع حاصل کرے، وہ حرام ہے، اس قول کا کیا معنیٰ ہے؟

تو امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

مِثْلُ الرَّجُلِ تَكُونُ لَهُ الدَّارُ، فَيَجِيْءُ السَّاكِنُ، فَيَقُولُ : أَقْرِضْنِي خَمْسِينَ دِرْهَمًا حَتّٰى أُسَكِّنَ، فَيُقْرِضُهُ وَيَسْكُنُ فِي دَارِهٖ، أَوْ يَكُونُ يُقْرِضُهُ الْقَرْضَ، فَيُهْدِي لَهُ الْهَدِيَّةَ، وَقَدْ كَانَ قَبْلَ ذٰلِكَ

لَا يُهْدِي لَهُ، أَوْ يُقْرِضُهُ الْقَرْضَ، وَيَسْتَعْمِلُهُ الْعَمَلَ الَّذِي كَانَ لَا يَسْتَعْمِلهُ قَبْلَ أَنْ يُّقْرِضَهُ، فَيَكُونُ قَرْضُهُ جَرَّ هٰذِهِ الْمَنْفَعَةَ، وَهٰذَا بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ الرِّبَا، وَذٰلِكَ أَنْ يَّرْجِعَ بِقَرْضِهٖ، وَقَدِ ازْدَادَ مَنْفَعَةً .

''اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کا گھر ہو اور کوئی اس میں رہنے کے لیے آئے، تو وہ کہے : مجھے پچاس درہم قرض دو تا کہ میں تمہیں یہاں رہنے کی اجازت دوں۔ وہ قرض دے دیتا ہے اور اس کے گھر میں رہتا ہے۔ یا کوئی اس کو قرض دیتا ہے اور وہ اس کے لیے تحائف لاتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ اسے تحفہ نہیں دیتا تھا، یا کوئی اسے قرض دیتا ہے اور وہ اسے عامل مقرر کر دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ اسے عامل نہیں بناتا تھا۔ ان سب صورتوں میں قرض نے نفع حاصل کیا ہے اور یہ سود کی ایک قسم ہے، کیونکہ اس شخص نے اپنا دیا ہوا قرض بھی واپس لے لیا اور ساتھ میں زائد چیز بھی حاصل کی۔''

(مسائل الإمام أحمد برواية ابنه صالح :320/1، رقم المسئلة :271)

امام احمد رحمہ اللہ کے یہی بیٹے صالح رحمہ اللہ ہی نے اپنے والد سے ادھار کی صورت میں قیمت کے اضافے کا پوچھا تھا، تو امام صاحب نے اسے جائز قرار دیا تھا، یہ بات ہم ذکر کر چکے ہیں۔ کیا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو اس قول کا معنیٰ ومفہوم زیادہ معلوم تھا یا آج کے بعض اہل علم کو؟ پھر اگر ادھار کی وجہ سے قیمت کے اضافے کا اس قول سے کوئی تعلق ہوتا، تو ان کے ہونہار بیٹے امام صالح رحمہ اللہ اس فتوے پر خاموش نہ رہتے۔ کیا ان اسلاف کا فہم زیادہ بہتر ہے یا بعض متاخرین کا؟

امام ابن منذر رحمہ اللہ :

مشہور فقیہ، امام ابن منذر نیشاپوری رحمہ اللہ (242-319ھ) نے بھی اس قول کو ذکر کیا ہے (الاشراف علی مذاہب العلماء : 142/6)، لیکن اس کے باوجود ہم ذکر کر چکے ہیں کہ انہوں نے اسلاف کے اقوال نقل کر کے ادھار کی صورت میں قیمت کے اضافے کو جائز قرار دیا ہے۔

حافظ خطابی رحمہ اللہ :

حافظ، حمد بن محمد، بستی، خطابی رحمہ اللہ (319-388ھ) نے بھی اس قول کو بطورِ دلیل ذکر کیا ہے (معالم السنن : 122/3)، اس کے باوجود اگلے ہی صفحے پر وہ ادھار کی صورت میں قیمت کے اضافے کو جائز بھی کہتے ہیں۔

کیا حافظ خطابی رحمہ اللہ جیسا لغت و حدیث کا ماہر غلطی پر تھا یا آج کے اہل علم؟

علامہ بغوی رحمہ اللہ :

علامہ، ابومحمد، حسین بن مسعود، بغوی رحمہ اللہ (م : 516ھ) نے بھی یہ قول ذکر کیا (شرح السنۃ : 145/8)، لیکن اس کے باوجود وہ ادھار کی صورت میں قیمت کے اضافے کے قائل تھے، جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے اہل علم ایسے ہیں، جنہوں نے اس قول کو ذکر کرنے کے باوجود ادھار کی وجہ سے قیمت کے اضافے کو جائز کہا ہے۔ ہم بہت طوالت کے خوف سے ان سب کے اقوال بیان نہیں کر رہے۔

یعنی جن متقدمین اہل علم نے ادھار کی بنا پر قیمت کے اضافے کو جائز کہا، یہ اثر ان کے بھی مدنظر تھا، لیکن انہوں نے اس سے وہ نہیں سمجھا، جو بعض متاخرین نے سمجھ لیا۔

متقدمین کے مقابلے میں متاخرین کا فہم کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔لہٰذا اس اثر سے ادھار کے بدلے قیمت میں اضافے کو سود کہنا کسی بھی صورت جائز نہیں۔

ادھار میں سود ہوتا ہے ، نقد میں نہیں:

بعض متاخرین نے ادھار میں قیمت کے اضافے کے ناجائز ہونے کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے:

[«اَلرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ»، وَفِي رِوَايَةٍ : «لَا رِبًا فِيمَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ» .

''سود ادھار میں ہوتا ہے اور ایک روایت میں ہے: جو چیز نقد بیچی جائے، اس میں سود نہیں ہے۔''(صحیح بخاری : ۲۱۷۸، ۲۱۷۹، صحیح مسلم : ۵۹۶(۱۵۹۶)، دارالسلام: ۴۰۸۸، ۴۰۸۹، ۴۰۹۰)]

لیکن ان کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ اس فرمانِ نبوی کا صحیح مطلب سمجھیں۔ یہ الفاظ تو درہم کی درہم اور دینار کی دینار کے ساتھ بیع،یعنی رقم کی رقم کے بدلے بیع کے بارے میں ہیں۔

صحیح مسلم کی محولہ بالا (1596) روایت میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

اَلدِّينَارُ بِالدِّينَارِ، وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، مَنْ زَادَ أَوِ ازْدَادَ، فَقَدْ أَرْبٰى .

''دینار کی دینار کے ساتھ اور درہم کی درہم کے ساتھ بیع برابر برابر ہو گی۔جو شخص زیادہ دے یا زیادہ طلب کرے،وہ سودی معاملہ کرے گا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ کی اس حدیث پر تبویب یوں ہے:

بَابُ بَيْعِ الدِّينَارِ بِالدِّينَارِ نَسَاءً .

’’دینار کی دینار کے ساتھ ادھار بیع کا بیان۔‘‘

یعنی اس حدیث کا تعلق ربوی اجناس سے ہے، جن میں سونا، چاندی اور غلے کی مخصوص چیزیں شامل ہیں۔اس بارے میں تفصیلات اہل علم کے ہاں معروف ہیں کہ اگر ایک جنس کا باہمی تبادلہ کرنا ہو تو نہ کمی وبیشی جائز ہوتی ہے نہ ادھار، لیکن اگر جنس مختلف ہو تو ان میں کمی وبیشی تو ہو سکتی ہے، لیکن ادھار جائز نہیں ہوتا۔ان میں ادھار ہی سود ہوتا ہے، جسے ’’ربا النسیئہ‘‘ کہا جاتا ہے۔مذکورہ فرمانِ نبوی میں اسی سود کا ذکر ہو رہا ہے۔

بعض صحابہ کرام کو اس فرمانِ نبوی سے یہ شبہ ہو گیا تھا کہ شاید سونے کے سونے اور چاندی کے چاندی کے ساتھ باہمی تبادلے کی صورت میں کمی وبیشی صرف ادھار کی صورت میں ناجائز ہے، اگر نقد ہو، تو جائز ہے۔حالانکہ اس فرمان کا صدور کسی سوال کے جواب میں ہوا تھا، جو کہ دو مختلف جنسوں کے تبادلے کے وقت کمی وبیشی کے بارے میں کیا گیا تھا، اس پر نبی اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ (مختلف جنسوں کے تبادلے میں) سود تو صرف ادھار میں ہوتا ہے، نقد میں نہیں۔اہل علم نے اس کی وضاحت بھی کی ہے، جیسا کہ:

❀ امام، محمد بن ادریس، شافعی رحمہ اللہ (150-204ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ يُسْأَلُ عَنِ الرِّبَا فِي صِنْفَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ؛ ذَهَبٍ بِفِضَّةٍ، وَتَمْرٍ بِحِنْطَةٍ، فَقَالَ : «إِنَّمَا الرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ»، فَحَفِظَهُ، فَأَدّٰى قَوْلَ النَّبِيِّ، وَلَمْ يُؤَدِّ مَسْأَلَةَ السَّائِلِ .

’’ممکن ہے کہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے سنا ہو کہ رسول اللہ ﷺ سے دو مختلف جنسوں، سونے کی چاندی اور کھجور کی گندم کے ساتھ بیع میں (مقدار میں اضافے کی وجہ سے) سود کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

سود تو ادھار میں ہوتا ہے۔سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ یاد کر کے آگے بیان کر دیے ہوں، لیکن سائل کا سوال ذکر نہ کیا ہو۔“

(اختلاف الحدیث مع کتاب الأم : 642/8)

❁ علامہ، یوسف بن عبداللہ، ابن عبدالبر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

وَمَعْنَى الْحَدِيثِ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ أَنَّهُ خَرَجَ عَلٰى جَوَابِ سَائِلٍ سَأَلَ عَنِ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ، أَوِ الْبُرِّ بِالتَّمْرِ، أَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ مِمَّا هُوَ جِنْسَانِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «لَا رِبًا إِلَّا فِي النَّسِيئَةِ».

”علماءِ کرام کے نزدیک اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ یہ کسی سائل کے جواب میں وارد ہوئی، جس نے سونے کی چاندی کے ساتھ یا گندم کی کھجور کے ساتھ بیع یا اسی طرح کی دو جنسوں کی آپس میں بیع کے بارے میں سوال کیا تھا۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (ان چیزوں میں) سود (مقدار میں اضافے سے نہیں، بلکہ) ادھار میں ہوتا ہے۔“

(الاستذکار لمذاهب علماء الأمصار : 353/6)

❁ علامہ، ابوالفرج، ابن الجوزی رحمہ اللہ (508-597ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلٰى أَنَّ أُسَامَةَ سَمِعَ بَعْضَ الْحَدِيثِ، كَأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ بَيْعِ بَعْضِ الْأَعْيَانِ الرِّبْوِيَّةِ بِبَعْضٍ؛ كَالتَّمْرِ بِالشَّعِيرِ، وَالذَّهَبِ بِالْفِضَّةِ

مُتَفَاضِلًا، فَقَالَ : إِنَّمَا الرِّبَا فِي النَّسِيئَة، وَإِنَّمَا حَمَلْنَاهُ عَلٰى هٰذَا لِإِجْمَاعِ الْأُمَّة عَلٰى خِلَافِهٖ، وَإِلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى ذَهَبَ أَبُو بَكْرٍ الْأَثْرَمُ .

''اس حدیث کو یوں محمول کیا جائے گا کہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے حدیث کا کچھ حصہ سنا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ربوی اجناس میں سے ایک کی دوسری کے ساتھ کمی و بیشی والی بیع کے بارے میں پوچھا گیا،جیسے کھجور کی جَو کے ساتھ اور سونے کی چاندی کے ساتھ۔اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : (اس صورت میں)سود تو ادھار ہی میں ہوتا ہے۔ہمارے اس حدیث کو اس معنیٰ پر محمول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے(ظاہری معنیٰ کے)خلاف امتِ مسلمہ کا اجماع ہے۔یہی معنیٰ ابوبکر اثرم رحمہ اللہ نے لیا ہے۔''(کشف المشکل من حدیث الصحیحین : 4/15)

لہٰذا اس فرمانِ نبوی کو غیر ربوی اجناس میں ادھار سے جوڑنا سرے ہی سے صحیح نہیں۔

پھر جتنے بھی اسلافِ امت نے ادھار کی صورت میں قیمت میں اضافے کو جائز قرار دیا ہے،ان سب کے علم میں یہ فرمانِ نبوی تھا،لیکن ان میں سے کسی نے بھی اس کی بنا پر ادھار کی وجہ سے قیمت کے اضافے کو سود نہیں کہا، بلکہ اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔

ممنوعہ صورت میں کم قیمت بھی جائز نہیں :

یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ جو لوگ قسطوں کے کاروبار کو جائز نہیں سمجھتے، وہ حدیثِ نبوی پیش کر کے یہ کہتے ہیں :

''اس حدیث کی رُو سے تو دو ہی صورتیں بنتی ہیں: دکاندار یا بائع یا تو کم مقدار والی قیمت کے ساتھ اپنی چیز بیچے گا اور وہ نقد کی قیمت ہے یا پھر ادھار کی وجہ سے سودی اضافہ وصول کرے گا،جس کی اس نے ادھار کی صورت میں شرط لگائی تھی۔''

یعنی ان کے نزدیک اگر کم قیمت پر وہی سودا ہو جائے، تو وہ جائز ہے،لیکن اہل علم کچھ اور کہتے ہیں۔بعینہٖ اسی حدیث کے مطابق امام طاؤس رحمہ اللہ نے یہ فتوی دیا:

إِذَا قَالَ : هُوَ بِكَذَا وَكَذَا إِلٰى كَذَا وَكَذَا، وَبِكَذَا وَكَذَا، إِلٰى كَذَا وَكَذَا، فَوَقَعَ الْبَيْعُ عَلٰى هٰذَا، فَهُوَ بِأَقَلِّ الثَّمَنَيْنِ إِلٰى أَبْعَدِ الْأَجَلَيْنِ .

''جب آدمی یوں کہے : فلاں چیز اتنی مدت تک اتنی قیمت میں اور اتنی مدت تک اتنی قیمت میں ہے اور اسی پر بیع واقع ہوگئی ہو،تو اس کے لیے دو قیمتوں میں سے کم قیمت ہوگی اور دو مدتوں میں سے دُور کی مدت ہوگی۔''

یہ قول امام طاؤس رحمہ اللہ سے ثقہ امام ،معمر بن راشد رحمہ اللہ نے روایت کیا۔اس قول کو نقل کرنے کے بعد امام طاؤس رحمہ اللہ کے یہی شاگرد فرماتے ہیں:

وَهٰذَا إِذَا كَانَ الْمُبْتَاعُ قَدِ اسْتَهْلَكَهٗ .

''یہ اس صورت میں ہوگا،جب خریدی گئی چیز کو خریدار نے صرف کرلیا ہو۔''

(مصنّف عبد الرزّاق : 136/8، وسندہٗ صحیحٌ)

معلوم ہوا کہ جب ایک بیع میں دو سودے ہوں،یعنی نقد اتنے میں،ادھار اتنے میں اور کوئی چیز معین نہ ہو سکے،تو یہ بیع ہی فاسد ہوتی ہے،ایسا معاملہ منعقد ہی نہیں ہوتا۔ہاں! اگر ایسے معاملے میں خریدار خریدی ہوئی چیز کو استعمال میں لا چکا ہو،مثلاً جانور کو ذبح کر کے کھا چکا ہو،تو پھر نقد والی قیمت اور ادھار والی مدت کو لاگو کیا جائے گا،ورنہ سود ہو جائے گا۔

مصنف عبد الرزاق میں امام طاؤس رحمہ اللہ کے اسی قول کے بالکل متصل بعد امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے منقول یہ فتویٰ بھی موجود ہے:

إِذَا قُلْتَ : أَبِيعُكَ بِالنَّقْدِ إِلٰى كَذَا، وَبِالنَّسِيئَةِ بِكَذَا وَكَذَا، فَذَهَبَ بِهِ الْمُشْتَرِي، فَهُوَ بِالْخِيَارِ فِي الْبَيْعَيْنِ مَا لَمْ يَكُنْ وَّقَعَ بَيْعٌ عَلٰى أَحَدِهِمَا، فَإِنْ وَّقَعَ الْبَيْعُ هٰكَذَا، فَهٰذَا مَكْرُوهٌ، وَهُوَ بَيْعَتَانِ فِي بَيْعَةٍ، وَهُوَ مَرْدُودٌ، وَهُوَ الَّذِي يُنْهٰى عَنْهُ، فَإِنْ وَّجَدْتَ مَتَاعَكَ بِعَيْنِهِ أَخَذْتَهٗ، وَإِنْ كَانَ قَدِ اسْتُهْلِكَ؛ فَلَكَ أَوْكَسُ الثَّمَنَيْنِ وَأَبْعَدُ الْأَجَلَيْنِ .

''جب آپ کہیں: میں نقد پر اتنے میں اور ادھار پر اتنے میں دوں گا۔ پھر خریدار اسے لے جائے، تو جب تک کسی ایک معاملے پر بات طے نہ ہو، اسے دونوں میں سے ایک کو منتخب کرنے کا اختیار رہے گا۔ اگر اسی ابہام پر معاملہ طے ہوا، تو یہ مکروہ (حرام) ہوگا۔ یہی ایک بیع میں دو سودے ہیں، جو کہ باطل ہیں۔ اسی سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ اگر آپ اپنے سامان کو اسی حالت میں پائیں، تو اسے واپس لے لیں اور اگر وہ استعمال کیا جا چکا ہو، تو آپ کے لیے کم قیمت لینا اور زیادہ مدت دینا ضروری ہوگا۔'' (مصنّف عبد الرزّاق : 137/8)

یہ قول اگرچہ امام عبد الرزاق رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ثابت نہیں، لیکن امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اور دیگر اسلاف سے جو کچھ پیش کیا جا چکا ہے، اس کی روشنی میں اسے تقویت مل جاتی ہے۔

حافظ خطابی رحمہ اللہ کا یہ قول اسی بارے میں ہے کہ:

لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِّنَ الْفُقَهَاءِ قَالَ بِظَاهِرِ هٰذَا الْحَدِيثِ، أَوْ صَحَّحَ

الْبَيْعَ بِأَوْكَسِ الثَّمَنَيْنِ؛ إِلَّا شَيْءٌ يُحْكٰى عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، وَهُوَ مَذْهَبٌ فَاسِدٌ، وَذٰلِكَ لِمَا يَتَضَمَّنُهُ هٰذَا الْعَقْدُ مِنَ الْغَرَرِ وَالْجَهْلِ .

''میرے علم میں کوئی ایک بھی ایسا فقیہ نہیں، جو اس حدیث کے ظاہری الفاظ کے مطابق فتویٰ دیتا ہو یا کم قیمت میں بیع کو درست قرار دیتا ہو، سوائے امام اوزاعی رحمہ اللہ سے منقول ایک روایت کے (وہ بھی ثابت نہیں)۔ یہ مذہب فاسد ہے، کیونکہ اس معاملے میں دھوکہ اور جہالت موجود ہے۔''

(معالم السنن شرح سنن أبي داوٗد : 3/112)

بعض اہل علم نے امام خطابی رحمہ اللہ پر سخت تنقید کی کہ ان کی یہ بات اس حدیث کے الفاظ کے خلاف ہے، لیکن دراصل یہ مخالفت نہیں، بلکہ حدیث کا وہ فہم ہے، جو ظاہراً اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ امام معمر بن راشد رحمہ اللہ وغیرہ کی وضاحت یہی بتاتی ہے کہ کم قیمت پر معاملہ طے کرنے کا یہ حکم نبوی اس صورت میں ہے، جب خریدار اس چیز کو صرف کر چکا ہو اور وہ اپنی اصلی صورت میں نہ رہی ہو۔ اگر وہ چیز اسی طرح پڑی ہو، تو قیمت کے عدمِ تعین کی بنا پر یہ بیع فسخ ہو جائے اور چیز مالک کو واپس مل جائے گی۔

اب اگر قیمت کے تعین و عدمِ تعین سے قطع نظر صرف بیع میں نقد وادھار کی قیمت میں فرق کرنا ہی ممنوع ہے، تو فریقِ ثانی کا اسی بیع میں نقد قیمت پر خرید وفروخت کی اجازت دینا بھی قطعاً صحیح نہیں۔

لیکن اصل بات، جو ائمہ اسلاف نے بھی بتائی ہے، یہی ہے کہ قیمت کے عدمِ تعین کی صورت میں ہی یہ بیع ناجائز ہوتی ہے اور ایسی صورت میں کم قیمت پر بھی بیع جائز نہیں ہوتی، الا یہ کہ خریدار چیز کو صرف کر چکا ہو۔ سد ذرائع کا اصول بھی اسی کا متقاضی ہے، ورنہ

خریدار کم قیمت کی نیت سے ایسا کریں گے، جبکہ بیچنے والے کے ذہن میں یہ ہوگا کہ اب ابہام میں سودا طے پا گیا ہے، تو میں زیادہ ہی لوں گا۔ یوں آپس کے تنازعات بنیں گے۔ اگر نقد وادھار میں سے ایک کا تعین ہو جائے گا، تو کوئی تنازعہ نہیں ہوگا۔

خلاصة التحقيق :

فریقین کے دلائل کا تجزیہ کر کے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اگر بائع نقد وادھار میں فرق کرے اور خریدار اسی مبہم معاملے پر اس سے جدا ہو جائے، تو یہ ناجائز و حرام ہے، لیکن اگر دونوں نقد وادھار میں سے کسی ایک معاملے کو طے کر لیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ادھار کی بنا پر قیمت کے اضافے کی حرمت پر کوئی نص موجود نہیں اور اس پر مستزاد ادھار پر قیمت کے اضافے کے جواز پر اہل علم کا اجماع واتفاق بھی ہے۔

رہی وہ حدیث جسے مانعین دلیل بنانے کی کوشش کرتے ہیں، تو اسلافِ امت اور ائمہ محدثین صرف ابہام والی صورت کو اس حدیث کا مصداق ٹھہراتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قیمت کا عدمِ تعین ہی اس بیع کے ناجائز ہونے کا سبب ہے۔ اسلاف کے خلاف بعض متاخرین کا قیمت کے عدمِ تعین کو سببِ حرمت نہ ماننا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

نقد وادھار کے فرق کے ناجائز ہونے کے حوالے سے بعض اہل علم نے کل بارہ اقوال پیش کیے، ان میں یا تو یہ مذکور ہے کہ ''نقد اتنے میں اور ادھار اتنے میں'' کے مبہم معاملے پر بیع کرنا ناجائز ہے اور یہ بات ان لوگوں کے بالکل موافق ہے، جو نقد وادھار میں فرق کر کے کسی ایک پر معاملہ طے کرنے کو جائز کہتے ہیں۔ یا پھر ان اقوال میں واضح طور پر یہ موجود ہے کہ اگر نقد وادھار میں سے کسی ایک معاملے کو طے کر لیا جائے، تو کوئی حرج نہیں، چاہے ادھار کی قیمت زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ یوں فریقِ ثانی کے ذکر کردہ تمام اقوال

فریقِ اوّل ہی کی تائید میں ہیں۔اس پر مستزاد کہ سلف صالحین، محدثین اور ائمہ دین سے ثابت شدہ مزید صریح اقوال بھی فریقِ اوّل ہی کی تائید کرتے ہیں۔

اس کے برعکس سلف میں سے کوئی ایک بھی شخص ایسا نہیں ملتا،جس نے یہ کہا ہو کہ ادھار کے بدلے میں قیمت کا اضافہ سود ہے اور ایک بیع میں دو سودے کرنے کے مترادف ہے۔اگر کسی اہل علم کے پاس اسلافِ امت کا کوئی ایسا قول ہو،تو وہ ہمیں اس سے ضرور آگاہ کرے۔

مندرجہ بالا تحقیق کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے کہ قسطوں کا کاروبار شرعی اعتبار سے جائز ہے اور کسی چیز کو فروخت کرتے وقت نقد و ادھار کا فرق کرنا ممنوع نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ سودا کسی معین قیمت ہی پر طے ہو،یعنی بائع و مشتری جدا ہونے سے پہلے نقد و ادھار میں سے کسی ایک قیمت پر اتفاق کر چکے ہوں۔

اس تحقیق سے پہلے ہم بھی نقد و ادھار کے فرق کو سود قرار دیتے تھے اور قسطوں کے کاروبار کو سودی کاروبار گردانتے تھے،لیکن حق واضح ہو جانے کے بعد ہمارے لیے اپنے اس موقف پر ڈٹے رہنا ممکن نہیں رہا۔ہم اپنی سابقہ اجتہادی غلطی پر اللہ تعالیٰ سے معافی کے طلبگار ہیں اور پُر امید ہیں کہ ہماری یہ اجتہادی غلطی بھی ہمارے لیے ثواب ہی کا باعث بنی ہوگی ، کیونکہ اس وقت بھی ہمارے سامنے دلائل شرعیہ ہی تھے،لیکن ان کو سمجھنے میں ہمیں غلطی لگی تھی۔اب بھی ہم نے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے فریقین کے دلائل کا انصاف کے ساتھ جائزہ لیا ہے اور جسے حق سمجھا ہے،قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ ہم نے کبھی تحقیق میں ہٹ دھرمی اور جانبداری سے کام نہیں لیا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کی سمجھ بھی عطا فرمائے اور اس پر عمل کی توفیق بھی۔آمین!